ولادتِ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کعبہ میں
علامہ مولانا مفتی
ضمیر احمد مرتضائی مدظلہ العالی
مسلم کتابوی لاہور

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مولودِ کعبہ ہونے کے بارے ایک تحقیقی فتویٰ

ولادتِ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کعبہ میں

ازقلم

استاذ العلماء جامع المعقول والمنقول حضرت علامہ ومولانا

مفتی ضمیر احمد مرتضائی مدظلہ العالی

مدرس جامعہ مہتابیہ چشتیہ، لاری اڈہ فاروق آباد

مسلم کتابوی

دربار مارکیٹ، گنج بخش روڈ، لاہور

042-37225605

Email: muslimkitabevi@gmail.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب	:	ولادتِ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کعبہ میں
ازقلم:	:	مفتی ضمیر احمد مرتضائی مدظلہ العالی
کمپوزنگ	:	ایمان گرافکس
صفحات	:	80
سالِ اشاعت	:	اکتوبر 2012ء/ ذیقعدہ 1433ھ
پرنٹرز	:	یاسر پرنٹرز، لاہور
تعداد	:	گیارہ صد
ناشر	:	مسلم کتابوی، لاہور
قیمت	:	

ملنے کے پتے

مسلم کتابوی، گنج بخش روڈ، دربار مارکیٹ، لاہور

مکتبہ مہتابیہ چشتیہ، لاری اڈا فاروق آباد (دونہروں کے درمیان)

مکتبہ مرتضائیہ قلعہ شریف ڈاکخانہ ناظر لبانہ تحصیل شرقپور ضلع شیخوپورہ

انتساب

حضور شیخ المشائخ محقق و مدقق، مناظر اسلام، امام العاشقین، برہان الواصلین

حضرت خواجہ عالم

پیر غلام مرتضیٰ فنانی الرسول رضی اللہ عنہ

اوران کے لختِ جگر، نورِ نظر، حامل علم لدنی، مادرزاد ولی اللہ، مردِ حق، مناظرِ اسلام

رئیس الفقہاء والمحدثین استاذ العلماء

فضیلۃ الشیخ حضرت خواجہ عالم

پیر نور محمد مرتضائی فنائی الرسول رضی اللہ عنہ

اوران کے خلف الرشید، شاگرد حمید، علوم مرتضائیہ کے امین پروردہ آغوشِ ولایت

حضور فضیلۃ الشیخ حضرت علامہ و مولانا

نذیر احمد نقشبندی مرتضائی صاحب دامت برکاتہم العالیہ

کے نام

جن کی نظرِ عنایت اور فیضانِ کامل سے اس ادنیٰ خاکسار کو

دینِ متین کی خدمت کا موقع میسر آیا۔

(والحمد لله علىٰ ذٰلك)

اھداء

بندہ اس کاوش کو

اپنے والدین اور تمام اساتذہ کے لیے

ہدیہ تبریک پیش کرتا ہے

گر قبول افتد، زہے عزو شرف

فقط

ابوالحسن محمد ضمیر احمد مرتضائی عفی لہ الاحد

فہرست

اِستفتاء

واجب الاحترام والاکرام جناب حضرت علامہ ومولانا صاحب زید مجدکم،
صاحب عترت وشرف جناب حضرت مفتی صاحب زید شرفکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مزاجِ گرامی بخیر!

جنابِ گرامی! ہم اور ہمارے آباؤ اجداد یہ سنتے، پڑھتے چلے آرہے ہیں کہ حضرت سیدنا مولا علی شیرِ خدا کرّم اللہ وجہہ کی ولادتِ باسعادت خانہ کعبہ بیت اللہ شریف کے اندر ہوئی۔

کسے را میسر نہ شد ایں سعادت
بکعبہ ولادت بمسجد شہادت

کے مصداق یہ آپ کی ایک نمایاں فضیلت وعظمت ہے جو کہ مستند علمائے دین کرتے ہیں اور مستند کتبِ دین میں بھی تحریر ہے۔

مگر کچھ عرصہ ہوا کہ چند مفتی، مولانا، واعظ حضرات یہ بیان کر رہے ہیں اور لکھ رہے ہیں کہ مولا علی ؓ کی ولادت باسعادت کعبہ میں نہیں ہوئی۔ یہ شیعوں کی گھڑی ہوئی روایت ہے جسے غیر مستند واعظین نے سُنّی عوام میں بیان کر کے عام کر دیا ہے۔ اور اگر ہے بھی تو کوئی خاص فضیلت ومرتبہ والی بات نہیں۔ اور اِس ضمن میں بہت نازیبا کلمات لکھے ہیں۔ اِن سنی نما واعظوں اور مصنفین کی وعظ وتحریر سے

علمائے کرام وعوام اہلِ بیت اطہار کے محبین سخت تذبذب وہیجان کا شکار ہیں کہ حق بات کون سی ہے۔ فلہٰذا......

جنابِ گرامی آپ کی خدمت میں گذارش ہے کہ اپنے قیمتی علمی لمحات میں سے چند لمحات نکال کر ''بابِ مدینۃ العلم'' سیدنا ومولانا شاہ مشکل کشا علی المرتضیٰ علیہ السلام کی عزت وناموس کے دفاع میں اور علماء وعوامِ اہلِ سنت وجماعت کے عقیدے وعقیدت کی پختگی اور تازگی کے لیے اپنی قیمتی آراء سے جلد از جلد نوازیں تاکہ آپ کا فتویٰ/ تاثرات شائع ہونے والی عالمی عظیم شخصیات کے تأثرات کی کتاب میں شائع ہوسکیں۔ اور اگر مزید اظہارِ محبت فرمائیں کہ اپنے قریبی سُنّی حنفی علمائے کرام ومفتیانِ عظام، پروفیسرز، وکلاء، دانشور حضرات کے تأثرات بھی حاصل کرکے مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ سے خیراتِ کرم وعلم حاصل فرمائیں اور دیگر مکتبہ فکر کے علماء ومفتی حضرات سے بھی حاصل ہوجائیں تو بھی شاملِ اشاعت ہوگا۔ اِسی پتہ پر ارسال فرمائیں یا دستی عنایت فرمادیں۔

آپ کا علمی، تحقیقی فتویٰ/ تاثرات جہاں بارگاہِ مرتضوی میں خراجِ عقیدت ومحبت ہوگا۔ وہاں علمائے کرام اور عوامِ اہلِسُنّت وجماعت کے لیے راہنما، عقیدت ومحبتِ مولا مشکل کشا میں مضبوطی اور حق نما ہوگا۔ جزاکم اللہ خیراً جزیلًا...... بینوا و توجروا۔

گذارش: اپنے دارالافتاء/ مدرسہ/ آستانہ یا ذاتی لیٹر پیڈ پر فتویٰ/ تاثرات لکھ کر اور مہرودستخط سے مزین فرما کر عنایت فرمائیں تو بہت خوب ہوگا۔ شکریہ

سائل

بارگاہِ مرتضویٰ کا ادنیٰ غلام

سید محمد عبدالقادر شاہ ترمذی محمدی سیفی

ابتدائیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علٰی سید الانبیاء والمرسلین و علٰی الہ و اصحابہ الطاھرین و علی من یحبھم و محبیھم اجمعین۔ اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیراً۔ (الاحزاب:۳۳)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ تو یہی ارادہ کرتا ہے کہ اے اہلِ بیت تم سے گندگی دور کردے اور تمہیں خوب پاک کرے۔''

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام صحابہ کرام قابلِ عزت واحترام ہیں۔ ہر ایک کی خوبیاں نرالی ہیں۔ جس کی بھی اقتداء کرلی جائے ہدایت ہی ہدایت ہے۔ جمیع صحابہ عظام ''رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ'' کی عملی تفسیر تھے۔ اور وَ کُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی (اور ہم نے ہر صحابی سے جنت کا وعدہ کرلیا) ان کا طرۂ امتیاز ہے۔ اس واسطے کسی بھی صحابی کی شان میں ذرا برابر گستاخی کے کلمات انسان کو ہدایت سے محروم کردیتے ہیں۔ جس سے بندہ گمراہی کی دلدل میں جا گرتا ہے اور جہاں گمراہی کا بسیرا ہو وہاں نزاع و اختلاف کا پیدا ہونا ایک ضروری امر ہوجاتا ہے۔ صحابہ کرام میں سے صدہا عزت و

اختشام کے لائق فاتح خیبر، دامادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، منبع ولایت، مولائے کائنات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ شیرِ خدا بھی محبت و پیار کے اتنے ہی مستحق ہیں جتنے دیگر صحابہ کرام، محبت ضرور ایک قلبی معاملہ ہے لیکن ہمیں ایمان کو نفاق سے جدا کرنے کے لیے دل کو محبتِ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف پھیرنے کا حکم ہے۔

لا یحب علیا منافق ولا یبغضه مومن۔ (ترمذی)

ترجمہ: ''منافق جنابِ علی المرتضیٰ سے محبت نہیں کرسکتا اور مومن آپ سے بغض نہیں رکھ سکتا۔''

قارئینِ کرام! کسی مسئلہ میں تحقیق کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم مسلمانی کا ثبوت دیتے ہوئے حقائقِ واقعیہ کو دائرۂ اسلام میں رہتے ہوئے ثابت کریں۔ ہم بعد میں آنے والے اپنے پہلوں کے حالات و واقعات اور ان کی اسلام کی خاطر خدمات وکوشش کو اجاگر کردیں تو سمجھ لیجیے ہم نے اپنے چھوٹا ہونے کا حق ادا کردیا لیکن خودکو بڑوں کا فریق سمجھ لینا نادانی ہے اور راہِ صواب سے فرار ہے۔ مسئلہ کوئی بھی ہو اہل سنت و جماعت کو اس دور میں من حیث المسلم اتحاد کی ضرورت ہے کسی گروہ یا طبقے کے تصور سے بالاتر ہوکر یہ دیکھیں کہ اسلام کے اندر ایسے مسائل کے بیان کرنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور اس پرفتن دور میں کن مسائل کی عوام کو ضرورت درکار ہے۔ ان فتنوں کی بہتی گنگا میں تاریخی واقعات کو اختلافی رنگ دے کر نفرت و انتشار کا بازار گرم کرنا سمجھداری کا ثبوت نہیں خواہ مخواہ عوام کو اپنے مخالف بولنے کا موقع دینا اچھا نہیں عوام کالانعام طبقۂ علماء سے پہلے ہی سے رنجیدہ ہے پھر پرنٹ میڈیا نے تو ان کے غضب و آگ کو اور بھڑکا دیا ہے۔ ہمارا حق بنتا ہے کہ ہم اس وقت مسلمانوں کو بتائیں کہ اصولِ تجارت شریعت کی روشنی میں کیا ہیں۔ کفر کی سازشوں سے نجات کے ذریعے بیان کرنا ہماری ذمہ داری میں شامل ہے ہمیں دورانِ تحقیق اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ ہم قوم وملت کے ذمہ دار افراد ہیں قوم کے سرمایہ کی قدر ہم پر لازم ہے اگرچہ حکومت اس کی دھجیاں ہی بکھیر رہی ہے تاہم ہمیں عوام کی مصلحت پیشِ نظر

رکھنا ضروری ہے۔ کفار کی فکری اور تعلیمی سازشوں نے مسلمانوں کو صدیوں تک فکری اپاہج بناڈالا ہے اب ہمیں اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم اپنی ہر بات کو حرفِ آخر نہ سمجھ لیں کیونکہ ہمارے اسلام نے ہمیں نصیحت و بھلائی کا ہی درس دیا ہے، حق معاملہ کے سامنے منکسر المزاجی ہی عوام کے لیے سہارا ہے اور اس فکری مرض سے نجات کا بہترین ذریعہ ہے۔ اب ضرورت اس امر کی تھی کہ مولودِ کعبہ کے بارے ایسی راہ اعتدال پیدا کی جائے جس کا حقائق سے گہرا تعلق ہو اور افراط وتفریط سے بالاتر متوسط راستہ اختیار کیا جائے نہ تو جنابِ فاطمہ بنت اسد کی طرف بوقتِ ولادت وحی کا قول کیا جائے اور نہ دریدہ دہنی سے کام لیتے ہوئے جناب فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کے بارے نازیبا کلمات کہے جائیں، بلکہ یوں کہا جائے جس طرح حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ کی ولادت کعبہ میں ثابت ہے اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ولادت بھی کعبہ میں ثابت ہے۔ جس پر دلائل آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندۂ ناچیز کے ذہن وقلم کو اپنی حفاظت میں رکھے اور شرِ شیطان سے محفوظ فرمائے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحابہ کرام واہلِ بیت اطہار اور تمام اولیاء عظام کا خوب ادب واحترام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ حق گوئی کے ساتھ ساتھ آپس میں پیار اور محبت کی فضا بھی استوار کرنے کی ہمت دے۔ **آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ و اله وسلم۔**

الیه المرجع و الیه المآب، ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هدیتنا و هب لنا من لدنك رحمه انك انت الوهاب۔

فقط

ضمیر احمد مرتضائی غفرلہ الباری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب بعون اللہ الوھاب

دریافت طلب مسئلہ کے بارے جانبین سے اثبات ونفی میں مواد سامنے آچکا ہے۔ چونکہ معاملہ ناساز ہونے کے ناطے نزاع اختیار کر چکا ہے اس واسطے اب ضرورت اس امر کی سامنے آئی کہ شیرازۂ اہلسنت کو اسی طرح سمیٹ دیا جائے اور فتنہ ونفرت کے ماحول کو دور کیا جائے۔ واللہ المستعان و علیہ التوکل والتکلان۔

صورت مسئلہ کو سمجھنے سے پہلے کچھ تمہیداً گزارشات پیش کی جاتی ہیں تاکہ آنے والے مسئلہ کو سمجھنے میں آسانی ہو جائے۔

۱- معتقدات کے تین درجہ ہیں۔ یعنی جو مسائل عقیدہ سے متعلق ہوتے ہیں وہ تین قسم کے ہوتے ہیں۔

ایک، ضروریاتِ دین، ان کا منکر بلکہ ان میں ادنیٰ شک کرنے والا بالیقین کافر ہوتا ہے ایسا کہ جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر۔

دوم، ضروریاتِ عقائدِ اہلسنّت ان کا منکر بدمذہب گمراہ ہوتا ہے۔

سوم، وہ مسائل کہ علمائے اہلسنّت میں مختلف فیہ ہوں ان میں کسی طرف تکفیر و تضلیل ممکن نہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ کوئی شخص اپنے خیال میں کسی قول کو راجح جانے خواہ تحقیقاً یعنی دلیل سے اسے وہی مرجح نظر آیا خواہ تقلیداً کہ اسے اپنے نزدیک اکثر علماء یا اپنے معتمد علیہم کا قول پایا کبھی ایک ہی مسئلہ کی صورتوں میں یہ تینوں قسمیں موجود ہو جاتی ہیں۔ مثلاً اللہ عزوجل کے لیے ''یَدْ'' و''عَیْن'' کا مسئلہ، قال اللہ تعالیٰ: یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ۔ (۴۸/۱۰) و قال اللہ تعالیٰ: و لِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ۔

(۲۰/۳۹) یَدْ ہاتھ کو کہتے ہیں، عَیْن آنکھ کو۔ اب جو یہ کہے کہ جیسے ہمارے ہاتھ، آنکھ ہیں ایسے ہی جسم کے ٹکڑے اللہ عزوجل کے لیے ہیں وہ قطعاً کافر ہے۔ اللہ عزوجل کے لیے ایسے ''یَدْ'' و''عَیْن'' سے پاک ہونا ضروریاتِ دین سے ہے اور جو کہے کہ اس کے ''یَدْ'' و''عَیْن'' بھی ہیں تو جسم ہے مگر نہ مثل اجسام، بلکہ مشابہت اجسام سے پاک و منزہ ہیں وہ گمراہ بددین کہ اللہ عزوجل کا جسم جسمانیت سے مطلقاً پاک و منزہ ہونا ضروریاتِ عقائدِ اہلسنّت و جماعت سے ہے اور جو کہے اللہ عزوجل کے لیے یَدْ وعَیْن ہیں مطلقاً جسمیت سے بری ومبرّا ہیں وہ اس کی صفاتِ قدیمہ ہیں جن کی حقیقت ہم نہیں جانتے نہ ان میں تاویل کریں وہ قطعاً مسلم سنی صحیح العقیدہ ہے اگرچہ یہ عدم تاویل کا مسئلہ اہلِ سُنّت کا خلافیہ متاخرین نے تاویل اختیار کی پھر اس سے نہ یہ گمراہ ہوئے نہ وہ کہ اجراءِ علی الظاہر بمعنی مذکور کرتے ہیں جس کا حاصل صرف اتنا کہ اٰمنّا بہ کل من عند ربّنا۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد: ۲۹، صفحہ: ۴۱۳،۴۱۴، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور)

۲- حدیثِ ضعیف فضائل ومناقب میں معتبر ہوتی ہے۔

(مقدمۃ صحیح البہاری فی قبول الحدیث الضعیف وردہ لملک العلماء العلامۃ المحدث الشیخ ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ تعالیٰ، التوفی ۱۳۸۳ھ، الفائدۃ الثانیۃ عشر، صفحہ: ۵۵، مطبوعہ دار اہل السنۃ للطباعۃ والنشر والتوزیع)

۳- کسی ایک صحابی کی فضیلت پر حدیث، دوسرے صحابی کی فضیلت کے خلاف نہیں ہوتی۔ بلکہ صحابہ کرام کے فضائل ومناقب کی حدیثیں کیسی ہی ہوں ہر حال میں مقبول و ماخوذ ہیں، مقطوع ہوں خواہ مرسل، نہ اُن کی مخالفت کی جائے نہ انہیں رد کریں۔ آئمہ سلف کا یہی طریقہ تھا۔

(قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب، فصل الحادی والعشرون لابی طالب مکی علیہ الرحمہ، جلد: ۱، صفحہ: ۱۷۸، مطبوعہ دار صادر مصر)

۴- کئی ایک مختلف روایات میں اگر جمع وتطبیق دینا ممکن ہو تو تطبیق دینا اولیٰ ہوتا ہے اگرچہ بعض محدثین نے انہیں متعارض قرار دیا ہو یا انہیں ناسخ ومنسوخ

میں داخل کیا ہو، درست راہ ان میں تطبیق دینا ہوتا۔

(الشذ الفیاح من علوم ابن الصلاح، الجزء الثانی، النوع السادس والثلاثون معرفۃ مختلف الحدیث، صفحہ:۴۷۲، مطبوعہ مکتبۃ الرشید، الریاض)

۵- جب کسی ایک امر یا واقعہ کا ثبوت احادیث سے ہو جائے تو اس قسم کے واقعات کے ثبوت کے لیے دلیلِ ظنی بھی کافی ہوتی ہے۔

(مقالات کاظمی، جلد:۱، صفحہ:۱۳۱، مطبوعہ کاظمی پبلی کیشنز ملتان، فتاویٰ نعیمیہ للعلامۃ اقتدار خاں نعیمی فی بحث الکرامۃ للغوث الاعظم جلد:۳، صفحہ:۸، ۹، ۱۰، مطبوعہ نعیمی کتب خانہ گجرات)

۶- محدثین کی گفتگو سند کے اعتبار سے صحت وضعف کا فیصلہ دیتی ہے اور ''لم یصح'' اور ''لم یثبت'' ایسے دیگر کلمات سے سند کے عدمِ صحت پر دلیل ہوتی ہے نہ کہ اصلاً سند کے معدوم ہونے پر، کہ یہ روایت سنداً صحت سے ثابت نہیں اس سے نیچے درجۂ حسن وضعیف کا وجود ہوتا ہے۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد:۵، صفحہ:۴۴۲، ۵۴۹، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور، تحفۃ الطلبہ للعلامۃ عبدالحی اللکھنوی، صفحہ:۷، مطبوعہ ایچ-ایم سعید کمپنی کراچی)

ان تمہیدات کے بعد یہ ذہن نشین کر لیں کہ ''مولودِ کعبہ'' ہونے کا مسئلہ معتقدات کے تین درجوں میں سے کسی ایک سے بھی نہیں ہے، خالصۃً ایک تاریخی واقعہ ہے جس میں عقیدت کا نکتہ تو بن سکتا ہے لیکن عقیدہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

یہ بات تو واضح ہے کہ حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے پہلے مولودِ کعبہ ہیں۔

چنانچہ ''اکمال فی اسماء الرجال'' میں شیخ ولی الدین ابو عبداللہ محمد ابن عبداللہ صاحب مشکوٰۃ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

حکیم بن حزام، ھو حکیم بن حزام یکنی ابا خالد القرشی الاسدی وھو ابن اخی خدیجۃ ام المؤمنین ولد فی الکعبۃ قبل الفیل بثلث عشرۃ سنۃ......الخ

ترجمہ: ''حضرت حکیم ابن حزام کی کنیت ابو خالد قرشی اسدی ہے اور آپ ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے ہیں عام الفیل سے تیرہ سال پہلے کعبہ میں پیدا ہوئے۔''

[(i) اکمال فی اسماء الرجال، صفحہ:۵۹۱، مطبوعہ مکتبہ مدنیہ، اردو بازار، گوجرانوالہ (ii) صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب الصدق فی البیع والبیان، رقم ۱۵۳۲، الرقم المسلسل ۳۸۵۹ (iii) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، باب الحاء، جلد:۱، صفحہ:۴۱۷، دار الکتب العلمیۃ بیروت (iv) تاریخ دمشق الکبیرۃ، ذکر من اسمہ حکیم، جلد:۱۷، صفحہ:۱۷۱، ۲۷۰، رقم:۱۶۹۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت (v) اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ، باب الحاء، جلد:۲، صفحہ:۴۴، رقم:۱۲۳۴، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت]

اسی طرح کئی ایک مقامات میں اس بات کی صراحت موجود ہے۔ سو جب حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ کا مولودِ کعبہ ہونا ثابت ہو گیا تو جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا مولودِ کعبہ ہونا بھی ممکن ٹھہرا۔ کیونکہ ایک امر ممکن کے بعد اس جیسے دوسرے امر ممکن کے پائے جانے میں کوئی حرج نہیں بلکہ ایسا وقوع شریعت سے ثابت ہے۔ لہٰذا اب یہ کہنا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا مولودِ کعبہ ہونا ایسا ضعیف امر ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں، درست نہیں کیونکہ امر عقلی کی نظیر یہاں موجود ہے۔

چنانچہ علامہ عبدالعزیز پرہاروی علیہ الرحمہ ''النبراس'' شرح شرح العقائد میں رویۃ باری تعالیٰ کے مسئلہ میں شرح عقائد کی عبارت ''جائزۃ فی العقل'' کے تحت رقمطراز ہیں:

انما احتیج الٰی بیان جوازھا عقلا لیجوز الاستدلال بالنصوص علٰی وقوع الرؤیۃ و ذٰلک لان النصوص الناطقۃ بما یستحیلہ العقل ما ولۃ غیر محمولۃ علٰی ظاھرھا۔

ترجمہ: ''یعنی رویۃ باری تعالیٰ کے بیان جواز کی طرف عقلی طور پر محتاجی اس واسطے ہوئی تا کہ نصوص کے ذریعے وقوعِ رویۃ پر استدلال جائز اور ممکن ہو جائے کیونکہ ان نصوص ناطقہ میں تاویل ہوتی ہے

جسے عقل محال گردانے ان کو اپنے ظاہر پر محمول نہیں کیا جاتا۔"

(النبراس شرح شرح العقائد للمبر ہاروی علیہ الرحمہ، صفحہ: ۲۴۸، مطبوعہ موسسۃ الشرف بلاہور، پاکستان)

اسی طرح مسئلہ اثبات عذاب القبر میں عبارت **لانها امور ممكنة اخبر بها الصادق** پر حاشیہ رقم کرتے ہوئے محشی نبراس حافظ برخوردار ملتانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

انما صرّح به لان من شروط الادلة السمعية امكان المدلول اذ لوامتنع المدلول عقلًا لوجب تاويل الدليل لان العقل اصل النقل كما بين في موضعه۔

یعنی امور ممکنہ ہونے کی صراحت اس لیے کی گئی ہے کہ ادلۂ سمعیہ کی شرائط میں سے ہے کہ مدلول ممکن ہو اس لیے کہ اگر مدلول عقلی اعتبار سے ممتنع ہو تو دلیل کی تاویل واجب ہے کیونکہ عقل، نقل کی اصل ہے جیسا کہ اپنے مقام پر یہ بات واضح ہے۔ (حاشیۃ النبراس نمبر ۲، صفحہ: ۳۱۷، مطبوعہ مؤسسۃ الشرف بلاہور پاکستان)

ان عبارات سے یہ واضح ہو گیا کہ جو امر عقلی طور پر ممکن ہو اس کے لیے وارد ہونے والی نصوص اپنے معنیٰ ظاہر پر ہوتی ہیں۔ اور جب حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ کا مولود کعبہ ہونا متفق علیہ دلیل سے متعین ہو گیا تو اس کے بعد کسی اور شخصیت کے لیے مولود کعبہ ہونا محال امر نہ رہا۔

دوسرا اصول فقہ کا قاعدہ ہے کہ جب عام میں تخصیص ہو جائے تو اس کے بعد دلیل ظنی یعنی خبر واحد یا قیاس کے ذریعے تخصیص کرنا بھی جائز ہوتا ہے۔

(التوضیح والتلویح، بحث قصر العام علی بعض مایتناولہ الخ جلد: ۱، صفحہ: ۱۲۲، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ آرام باغ، کراچی، معدن الاصول، صفحہ: ۵۸، مطبوعہ المکتبۃ الحبیبیہ قصہ خوانی بازار، پشاور)

یا کہہ لیا جائے کہ سالبہ کلیہ کی نقیض موجبہ جزئیہ آتی ہے۔ "عدمِ مولودِ کعبہ" کی نقیض ولادتِ حکیم ابنِ حزام در کعبہ ہے۔ حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ کے بارے گذشتہ وضاحت کے بعد "عدمِ مولودِ کعبہ" کے عموم میں تخصیص پیدا ہو گئی، اب اسی

علت کے مطابق کہ خاص مواقع پر عورتیں کعبہ میں داخل ہو جایا کرتی تھیں، ہم حکم لگائیں گے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ بھی ایسی مواقع میں کعبہ کے اندر داخل ہوئیں اور جناب حیدرِ کرار رضی اللہ عنہ کی ولادت با سعادت ہوئی۔

اسی معقولی بات کو ہی محدثین و ناقدین نے اپنی کتب میں بیان فرمایا اور امام حاکم نے "مستدرک" میں اس پر تواترِ اخبار کا دعویٰ فرمایا، اور اگر اس کے لیے حدیثِ ضعیف بھی ہو تو کافی ہے کیونکہ اس کا شمار بھی دلیلِ ظنی سے ثابت ہونے والے امور سے ہوتا ہے، ہم اس مسئلہ میں پیدا ہونے والے اشکالات کے حل بھی پیش کریں گے (ان شاء اللہ تعالیٰ) تاہم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مولودِ کعبہ ہونے پر کچھ دلائل قارئین کی نظر کرتے ہیں۔

امام حاکم علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ حضرت مصعب بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ کے مولودِ کعبہ ہونے کے بارے روایت نقل فرماتے ہیں:

وبه قال حدثنا مصعب بن عبدالله فذكر نسب حكيم بن حزام و زاد فيه و امه فاختة بنت زهير بن اسد بن عبدالعزٰى و كانت ولدت حكيمًا في الكعبة وهي حامل فضربها المخاض وهي في جوف الكعبة فولدت فيها فحملت في نطع و غسل ما كان تحتها من الثياب عند حوض زمزم، ولم يولد قبلهٗ ولا بعدهٗ في الكعبة احد، قال الحاكم: وهم مصعب في الحرف الاخير فقد تواترت الاخبار ان فاطمة بنت اسد ولدت امير المؤمنين علي بن ابي طالب كرم الله وجهه في جوف الكعبة۔

اس کی تلخیص کرتے ہوئے امام الناقدین حافظ شمس الدین ذہبی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

و عن ابى الزناد قال قدم حكيم المدينة و بنى بها داراً

و بهامات سنة اربع و خمسين، وهو ابن مأة و
عشرين سنة، قال مصعب بن عبدالله و ام حكيم هي
فاختة بنت زهير بن اسد بن عبدالعزى ولدت حكيما
في الكعبة ضربها المخاض في جوف الكعبة و غسل
ما تحتها من الثياب عند حوض زمزم ولم يولد قبله
ولا بعده احد في الكعبة قال الحاكم: وهم مصعب
في الحرف الاخير فقد تواترت الاخبار ان عليا ولد
في جوف الكعبة۔

"یعنی حضرت حکیم ابن حزام جب مدینہ آئے تو گھر بنایا اور
۵۴ ھجری میں ایک سو بیس سال کی عمر پا کر اس دارِ فانی سے
رحلت فرمائی۔ آپ کی والدہ محترمہ حضرت فاختہ بنت زہیر ابن
اسد ابن عبدالعزیٰ حالتِ حمل میں تھیں کعبہ کے درمیان میں دردِ
زہ اٹھا تو آپ نے کعبہ کے اندر ہی اپنے بیٹے کو جنم دیا، حضرت
حکیم ابن حزام کو چمڑے کے بچھونے میں اٹھایا اور جو کپڑا
(بوقتِ ولادت) بی بی فاختہ کے نیچے تھا اسے زمزم کے حوض
کے پاس دھویا گیا، "لم یولد قبله ولا بعده احد فی
الکعبة" نہ کوئی اس سے پہلے کعبہ میں جنا گیا اور نہ ہی بعد میں
کسی کی کعبہ میں پیدائش ہوئی۔ امام حاکم فرماتے ہیں، راوی
مصعب بن عبداللہ کو آخری جملہ میں وہم اور مغالطہ ہو گیا ہے۔
بیشک تواترِ اخبار اس بات پر ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کعبہ
کے اندر پیدا ہوئے۔"

(المستدرک مع التلخیص، کتاب معرفة الصحابة، جلد: ۳، صفحہ: ۴۸۳، مطبوعہ دار المعرفة بیروت، لبنان)

اس عبارت کا مکمل بیان پیش کرنے کا مقصد ایک اعتراض کا اسی مقام پر حل

کرنا ہے۔ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ کے بارے مولودِ کعبہ کے مسئلہ میں
بڑے نازیبا الفاظ استعمال کیے گئے ہیں لکھنے والا لکھتا ہے:

"فاطمہ بنت اسد ایسی نازک حالت میں گھر سے نکلی ہی کیوں؟
با اخلاق عورتیں تو احتیاطاً پانچ چھ دن پہلے گھر سے نکلنا بند کر دیتی
ہیں اور اگر ولادت میں وقفہ و دیر ہی تھی تو اس وقفے میں گھر
کیوں نہ چلی گئیں؟ وہیں اکیلی لوگوں کے سامنے کیوں دردِ زہ
سے کراہتی رہیں؟ محترمہ کو کیسے پتا چلا کہ کعبہ کی دیوار کہاں سے
پھٹی ہے اور کتنی پھٹی؟ بوقتِ ولادت کراہنے اور شور مچانے کے
علاوہ رحم سے کافی گندی اشیاء بھی نکلتی ہیں اور اس سے فرشِ کعبہ
خراب ہوا ہوگا وہ کس نے صاف کیا؟ ولادت کے فوراً بعد کئی گھنٹے
زچہ عورت چلنے کے قابل نہیں ہوتی تو کون ان محترمہ کو اٹھا کر گھر
لایا؟ اگر کعبے میں ولادت اشرفیت یا افضلیت ہوتی تو یہ کفار کو نہ ملتی
بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی ولادت کعبہ میں ہوتی۔" العیاذ باللہ۔

اس وقت ہم اتنی گزارش کرتے ہیں کہ یہ جتنے بھی عقلی احتمالات ہیں،
حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے عدم مولودِ کعبہ ہونے کے بارے کیوں بیان کیے گئے ہیں؟
یہ روش درست نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ کی ولادت درکعبہ کے
بارے عظیم محدثین اور مؤرخین سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے، اب اس کا انکار
ممکن نہیں۔ لہٰذا جو عقلی احتمالات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے عدم مولودِ کعبہ کے بارے
وارد کیے گئے ہیں وہی عقلی احتمالات جناب حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ کی ولادت درکعبہ کو بھی
مانع ہوں گے۔ حالانکہ حضرت حکیم ابن حزام کی ولادت درکعبہ ثابت ہے۔ سو یہ
احتمالات فاسد و باطل ٹھہرے۔ ایسی کمزور وجوہات اور احتمالاتِ فاسدہ کے بعد یوں
کہنا "فاطمہ بنت اسد ایسی نازک حالت میں گھر سے نکلی ہی کیوں؟ با اخلاق عورتیں
تو احتیاطاً پانچ، چھ دن پہلے گھر سے نکلنا بند کر دیتی ہیں...... الخ" ایسی بے حجابانہ گفتگو

کسی مسلمان کو لائق نہیں۔ اس تنقیدانہ تبصرہ کو کیا ہم حضرت حکیم ابنِ حزام رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ کے بارے میں بھی استعمال کریں گے؟ کیا ان کے بارے یہ کہیں گے کہ ''حکیم ابن حزام کی والدہ محترمہ حضرت فاختہ بنت زھیر ایسی نازک حالت میں گھر سے نکلی ہی کیوں؟ بااخلاق عورتیں تو احتیاطاً پانچ چھ دن پہلے گھر سے نکلنا بند کر دیتی ہیں اور اگر ولادت میں وقفہ و دیر ہی تھی تو اس وقفے میں گھر کیوں نہ چلی گئیں۔ وہیں اکیلی لوگوں کے سامنے کیوں دردِزہ سے کراہتی رہیں؟ بوقتِ ولادت کراہنے اور شور مچانے کے رحم سے کافی گندی اشیاء بھی نکلتی ہیں اور اس سے فرشِ کعبہ خراب ہوا ہوگا وہ کس نے صاف کیا؟ ولادت کے فوراً بعد کئی گھنٹے زچہ عورت چلنے کے قابل نہیں ہوتی تو کون ان محترمہ کو اٹھا کر گھر لایا؟'' صد ہا افسوس ان کلماتِ مکروہہ پر۔

خیال رہے یہ اعتراض منکرینِ حدیث کے انداز پر معلوم ہوتا ہے آج بھی غامدی و پرویزی قسم کا فرقہ ایسے ہی اعتراضات احادیثِ طیبہ پر کرتا ہے اور بالکل واضح حیثیت احادیث کا منکر ہوتا چلا جاتا ہے۔

اگر ولادت در کعبہ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی والدہ کو ایسا کہا ہے تو کیا حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ بے اخلاق تھیں؟ ایسے جملہ کوئی بندہ اپنی ماں، نانی یا دادی کے بارے نہیں کہتا کہ اگر ولادت میں وقفہ و دیر ہی تھی تو اس وقفے میں گھر کیوں نہ چلی گئیں؟ وہیں اکیلی لوگوں کے سامنے کیوں دردِزہ سے کراہتی رہیں؟ افسوس کہ آج بھی اس مسئلہ کو ہوا دینے والے ایسے ہی جملوں کا استعمال کر کے خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے عقلی اعتبار سے بھی مسئلہ کا رد کر دیا، لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ ان کی یہ خوش فہمی اپنے ہی ہاتھ سے جگر چیر ڈالنے کے مترادف ہے اور انتشار کا باعث بنتی ہے۔ اب رہ گیا یہ اعتراض کہ رحم سے کافی گندی اشیاء نکلتی ہیں۔ اور اس سے فرشِ کعبہ خراب ہوا ہوگا وہ کس نے صاف کیا؟ اسی طرح ان محترمہ کو اٹھا کر گھر کون لایا؟ حضرت حکیم ابن حزام کی ولادت کی روایت میں بچھونے کا ذکر ہے کہ بعد از ولادت اسے زمزم کے پاس دھویا گیا، اور جیسے جناب حکیم ابن حزام کی والدہ محترمہ کو گھر اٹھا کر

لایا گیا اسی طرح ان کو بھی لایا گیا۔ اگر کعبہ ان کی پیدائش سے زچہ خانہ نہ بنا تو ولادتِ حضرت علی سے کیوں بن گیا۔ جب حکیم ابن حزام کے مولودِ کعبہ ہونے سے خانۂ خدا آلودہ نہ ہوا تو جس ہستی کو احکامِ شرع کے مکلف ہونے کے بعد جنبی مسجد سے گزر جانے کی اجازت ہو تو[1] اس منبع کرامت کا احکامِ شرع کے نافذ ہونے سے پہلے مولودِ کعبہ ہونا باعثِ آلودگی کیوں ٹھہرا؟ اور اتنا محال امر کیوں بن اٹھا؟

یہ عقلی اعتراضات اس وقت قابلِ تسلیم ہوتے اگر یہ عقلی احتمالات محالات میں سے ہوتے جبکہ ان میں سے کوئی امر عقلی ممتنع و محال نہیں بلکہ ممکن ہے اور امر ممکن کو معرضِ امتناع میں رکھنا غیر معقولی امر ہے۔

ایک امر ممکن کے بعد اس جیسے دوسرے امر ممکن کے درست ہونے کی مثال دیکھیے۔ جناب صاحبزادہ اقتدار خان نعیمی صاحب نے حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی بیڑے والی کرامت ثابت کرنے کے لیے حضرت عزیر علیہ السلام کے واقعہ کا بیان فرما کر اس پر قیاس کیا ہے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں: ''جس طرح غوث پاک کی دوسری بہت سی کرامات مختلف کتب سے ثابت ہیں اسی طرح یہ بارہ برس بعد ڈوبی ہوئی بارات کا زندہ نکالنا بھی چند بزرگوں کی کتب سے ثابت ہے۔ چنانچہ کتاب سلطان الاذکار اور شیخ شہاب الدین سہروردی رضی اللہ عنہ کی تصنیف شدہ کتاب خلاصہ قادریہ کے صفحہ ۴۰ پر یہ واقعہ تفصیل سے درج ہے اسی طرح مولانا برخوردار ملتانی رضی اللہ عنہ (محشی نبراس) اپنی کتاب غوث اعظم صفحہ ۷۶ پر فرماتے ہیں کہ واقعہ بہت مشہور ہے کسی واقعے کو ماننے کے لیے اتنی شہرت کافی ہے اور ایمان والوں کے لیے تو بزرگوں کے اقوال ہی سند کثیر ہیں کیونکہ انکار کی کوئی شرعی وجہ معلوم نہیں ہوتی اور بلاوجہ انکار گناہ ہے۔ بارہ برس کے بعد ڈوبے ہوئے لوگوں کو زندہ نکال لینا یہ میرے رب کی قدرت کاملہ ہے جس کا ظہور ذات غوث پاک سے ہوا۔

اب اس قدرت کا انکار شانِ خداوندی میں اسی طرح گستاخی ہے جس طرح

(1) ترمذی شریف جلد ۲، صفحہ ۲۱۴، ابواب المناقب مطبوعہ مکتبہ علوم اسلامیہ، بلوچستان

قرآن پاک کا بیان کردہ حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ کہ حضرت عزیر علیہ السلام سو سال تک فوت رہے اور پھر زندہ ہو گئے۔ قرآن پاک نے سو سال بعد زندہ ہونے کا ذکر فرمایا اس کو ماننا اور اس کی حقانیت پر یقین رکھنا عین ایمان ہے۔ اس کا منکر کافر صریح ہے۔ حالانکہ سو سال بعد زندگی زیادہ تعجب ناک ہے بارہ سال بعد زندگی سے، جو رب تعالیٰ سو سال بعد زندہ کر سکتا ہے اس پر بارہ سال بعد زندہ کرنا کیونکر مشکل ہو سکتا ہے اور جب اس کا اقرار ہے تو اس کا انکار کیوں۔ وہ بھی قدرت کا کرشمہ تھا یہ بھی۔ نہ وہ قانونی فعل نہ یہ۔ وہاں بھی معجزانہ طور پر قدرتِ الٰہی کا آشکار کرنا تھا یہی وجہ ہے کہ جلد خراب ہونے والا سالن کھانا پینا سو سال تک خراب نہ ہوا۔ اور لمبی زندگی والا اپنی طبعی زندگی پوری کر کے مر جانے والا ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر گل سڑ گیا۔ وہی دھوپ اور بارشیں جسم پاک عزیر علیہ السلام پر پڑیں۔ مگر معجزانہ طور پر اس کو کچھ بھی نہ ہوا جس طرح یہ سب کچھ قدرتی امر تھا اسی طرح بارہ سال بعد زندہ کرنا بھی قدرتی امر تھا فرق صرف اتنا تھا کہ وہ نبی علیہ السلام کے جسم پر بطور معجزہ ظاہر ہوا اور یہ غوثِ پاک رضی اللہ عنہ کے دستِ اقدس پر بطور کرامت ظاہر ہوا بلکہ یاد رکھو کہ جس طرح معجزات باری تعالیٰ کے قانون کو ثابت کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔ اسی طرح کرامات معجزوں کو ثابت کرنے کے لیے ہوتی ہیں۔ قانون کے منکروں کو معجزات دکھا کر قائل و مائل کیا جاتا ہے۔ معجزات کے منکروں کو کرامات اولیاء اللہ دکھا کر قائل و مائل کیا جاتا ہے...... الخ

اس سے کچھ آگے فرماتے ہیں: ''اہلِ علم کے نزدیک صرف ان چیزوں کا انکار کیا جائے گا جن میں مندرجہ ذیل خرابیاں ہوں۔''

۱۔ اصولِ اربعہ فقہیہ شرعیہ کے بعد ظہور میں آئیں اور شریعتِ اسلامیہ کے مطابق نہ ہوں۔

۲۔ جس چیز میں کسی اسلامی قانون کا مقابلہ پایا جائے وہ کرامت بناوٹی اور شرعاً نا قابلِ قبول ہوتی ہے...... الخ

۳۔ جس کرامت سے کسی دوسرے بزرگ کی شان میں گستاخی ہو وہ کرامت

بھی غلط ہے...... الخ

۴۔ اسی طرح وہ کرامت جس سے اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی ہوتی ہے۔

پھر اس سے ذرا آگے لکھتے ہیں:

''سوالِ مذکورہ میں مسئولہ کرامت غوثِ پاک شریعت اور اصولِ قرآن کریم کے مطابق ہے اور کتابوں میں مشہور ہے اس لیے شرعاً بالکل درست و صحیح ہے بلاوجہ ہٹ دھرمی گناہ ہے۔''

(فتاویٰ نعیمیہ، جلد:۲، صفحہ:۳۰۳ تا ۳۰۶، مطبوعہ نعیمی کتب خانہ)

اس وضاحت سے چند امور سامنے آئے کہ ''کسی واقعے کو ماننے کے لیے واقعہ کا مشہور ہونا کافی ہے۔ اور اس کے حوالے کسی حدیث سے ضروری نہیں کتب سلف صالحین سے بھی کافی و وافی ہیں کیونکہ ایمان والوں کے لیے تو بزرگوں کے اقوال ہی سند کثیر ہیں۔''

''کوئی کرامات اصول اربعہ کے بعد ظہور میں آئیں اور شریعتِ اسلامیہ کے مطابق نہ ہو۔''

''جس چیز میں کسی اسلامی قانون کی مخالفت ہو وہ کرامت مقبول نہیں ہوتی۔''

''جس کرامت سے کسی دوسرے بزرگ کی شان میں گستاخی ہوتی ہو وہ کرامت غلط ہے۔''

ایک واقعہ اگر ثابت ہو تو اس جیسا دوسرا واقعہ مذکورہ شرائط کے مطابق ہو تو مان لیا جائے گا۔

اسی طرح غزالیٔ زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی شاہ صاحب علیہ الرحمہ ''مقالاتِ کاظمی'' میں رقم طراز ہیں:

''مسجد اقصیٰ تک جانے میں جب حضور ﷺ کا سچا ہونا ثابت ہو گیا تو آسمانوں کی معراج بھی سچی ثابت ہو گئی اس لیے کہ جس طرح آسمانوں پر جانا محال ہے بالکل اسی طرح رات کے

تھوڑے سے حصہ میں مکہ سے مسجد اقصیٰ جا کر واپس آ جانا بھی
محال ہے۔ ب یہ جانا اور آنا محال نہ رہا تو آسمان پر جا کر واپس
آنا ان کے لیے کیونکر محال رہ سکتا تھا؟''

(مقالاتِ کاظمی، جلد ۱، صفحہ ۱۳۱، مطبوعہ کاظمی پبلی کیشنز، جامعہ اسلامیہ انوار العلوم، ملتان)

لہٰذا ان ثابت شدہ امور کی روشنی میں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ جس طرح حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ مولودِ کعبہ ہیں اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مولودِ کعبہ ہونے کا واقعہ مشہور ہونے کی بنا پر قابلِ قبول ہے۔ کیونکہ حضرت علی المرتضیٰ اور حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہما میں سے کسی ایک کی ولادت درکعبہ دوسرے کی شان میں تنقیص وعیب پیدا نہیں کرتی۔ سو یہ کہنا بجا ہے کہ حضرت حکیم ابن حزام اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما دونوں کی ولادت کعبہ میں ثابت ہے۔ اور جب دونوں کی پیدائش ایک علیحدہ علیحدہ امر ہے تو ایک کے ثابت ہونے سے دوسرے کی نفی لازم نہیں آتی، لہٰذا ایک کے بارے ولادت کی حدیث دوسرے کی ولادت کی حدیث کے مخالف نہیں ہے۔ اسی بات کو ہم نے اپنی تمہید کی پانچویں شق میں بیان کیا۔

اب جو روایتِ مستدرک بیان کی گئی اس بارے کچھ گزارشات ہیں تا کہ ذکر کردہ روایت کے بارے حقیقتِ حال سامنے آ جائے۔

مستدرک کی فنی حیثیت اور امام حاکم کا عندالمحدثین مقام کیا ہے؟

تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی میں امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ مستدرک کے بارے وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

(و اعتنى) الحافظ ابوعبدالله (الحاكم) فی المستدرك (بضبط الزائد عليهما) مما هو علی شرطهما أو شرط احدهما أو صحيح و ان لم يُوجد شرط احدهما معبرا عن الاول بقوله: هذا حديث صحيح [علی شرط الشيخين، أو علی شرط البخاری أو مسلم، و عن الثانی بقوله: هذا حديث صحيح] الاسناد و ربما أورد فيه

ما هو فی الصحيحين أو احدهما سهواً و ربما أو ردفيه ما لم يصحّ عنده منبها علیٰ ذلك (وهو متساهل) فی التصحيح۔

قال المصنف فی شرح المهذب؛ اتفق الحفاظ علی ان تلميذه البيهقی اَشدّ تحريا منه۔

و قد لخص الذهبی مستدركه و تعقّب كثيراً منه بالضعف والنكارة و جمع جزءاً فيه الاحاديث التی فيه وهی موضوعة فذكر نحو مائة حديث۔

و قال ابوسعيد المالينی؛ طالعت المستدرك الذی صنفه الحاكم من اوّله الی آخره، فلم أرفيه حديثًا علی شرطهما، قال الذهبی: و هذا اسراف و غلو من المالينی، و الافقيه جملة وافرة علی شرطهما و جملة كثيرة علی شرط احدهما لعلَّ مجموع ذلك نحو نصف الكتاب و فيه نحو الربع مما صحّ بسنده و فيه بعض الشئ أو له علة، وما بقی وهو نحو الربع فهو مناكير و واهيات لا تصح و فی بعض ذلك موضوعات۔

قال شيخ الاسلام: و انما وقع للحاكم التساهل، لانه سود الكتاب لينقحه، فاعجلته المنية۔

قال: و قد وجدت فی قريب نصف الجزء الثانی من تجزئة ستة من المستدرك: الی هنا انتهی املاء الحاكم۔

قال: وما عدا ذلك من الكتاب لا يؤخذ عنه الا بطريق الاجازة فمن اكبر اصحابه و اكثر الناس له ملازمة البيهقیُّ، وهو اذا ساق عنه من غير المملی شيئًا لا يذكره الا بالاجازة۔

قال: والتساهل فی القدر المملی قليل جداً بالنسبة الی ما بعده۔

(فما صححه ولم نجد فيه لغيره من المعتمدين تصحيحًا ولا تضعيفا حكمنا بانه حسن، الا ان يظهر فيه علة توجب ضعفه)

قال البدر ابن جماعة: والصواب انه يُتتبع و يحكم عليه بما يليق بحاله من الحسن أو الصحة أو الضعف۔

یعنی حافظ ابوعبداللہ حاکم مستدرک میں بخاری ومسلم پر ضبط زائد کے ساتھ متوجہ ہوئے ہیں۔ اس سے زائد جو صحیحین کی شرط یا ان دونوں میں سے ایک کی شرط پر ہے یا وہ صحیح ہے اگرچہ ان دونوں میں سے ایک کی شرط نہیں پائی گئی۔ پہلے کو یوں تعبیر کرتے ہیں۔ هذا حديث صحيح علٰى شرط الشيخين یا حديث صحيح علٰى شرط البخاري یا حديث صحيح علٰى شرط مسلم اور دوسرے کو یوں تعبیر کرتے ہیں، هذا حديث صحيح الاسناد، اور کبھی مستدرک میں سہواً وہی وارد کر دیا جاتا ہے جو صحیحین یا بخاری ومسلم سے کسی ایک میں موجود ہوتا ہے اور کبھی اس میں وہ روایت داخل کر دی جاتی ہے جو امام حاکم کے نزدیک صحیح نہیں ہوتی اس کی وجہ روایت کی عدم صحت پر تنبیہ کرنا ہوتا ہے۔

اور امام حاکم تصحیح کرنے میں متساہل ہیں۔

امام نووی علیہ الرحمہ نے شرح المہذب میں فرمایا ''حفاظ نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ امام حاکم کے شاگرد امام بیہقی علیہما الرحمہ ان سے زیادہ تحری کرنے والے تھے۔''

''اور تحقیق امام ذہبی علیہ الرحمہ نے مستدرک حاکم کی تلخیص کی اور مستدرک کے بہت سے مقامات کا ضعف ونکارت کے ساتھ تعاقب کیا ہے اور ایک ایسا جزء جمع کیا جس میں مستدرک کے اندر پائی جانے والی موضوع روایات ہیں۔ امام ذہبی نے ایسی تقریباً سو روایات کا ذکر فرمایا ہے۔''

''اور ابوسعید مالینی نے کہا: ''میں نے امام کی مستدرک کا شروع سے آخر تک مطالعہ کیا میں نے اس میں کوئی حدیث بھی شیخین کی شرط پر نہیں دیکھی۔''

امام ذہبی نے ابوسعید مالینی کے قول پر جرح کرتے ہوئے فرمایا کہ ''یہ مالینی کا اسراف اور غلو ہے وگرنہ اس میں شیخین کی شرط پر وافر جملے ہیں اور شیخین میں سے

کسی ایک کی شرط پر کثیر جملے ہیں۔ شاید اس طریقے کا مجموعہ نصف کتاب کے قریب ہو اور اس میں ربع کے قریب وہ روایات ہیں جو اپنی سند کے اعتبار سے صحیح ہیں اور اس میں کچھ ہے یا اس کے لیے علت قادحہ موجود ہے اور جو باقی ہے وہ بھی تقریباً ربع کے قریب ہے اس میں منکر اور واھی غیر صحیح روایات ہیں اور اس بعض میں موضوعات ہیں۔''

شیخ الاسلام نے فرمایا کہ ''جو امام حاکم سے تساہل واقع ہوا اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے کتاب کا مسودہ تیار کر لیا تاکہ اس کی کانٹ چھانٹ کریں لیکن موت نے اس کا موقعہ نہ دیا۔''

شیخ الاسلام نے فرمایا کہ ''میں نے مستدرک کے چھ اجزاء میں سے جزء ثانی کے نصف کے قریب یہ عبارت لکھی ہوئی پائی۔ ''إلٰى هنا انتهى املاء الحاكم'' (اس جگہ تک حاکم کی املاء ختم ہو جاتی ہے)

شیخ الاسلام نے فرمایا کہ ''اور جو اس کے علاوہ ہے اس کو اجازۃ کے طریق کے بغیر نہ لیا جائے، سو امام حاکم کے بڑے شاگردوں اور لوگوں میں سے زیادہ پاس رہنے والے امام بیہقی ہیں اور امام بیہقی جب غیر املاء شدہ سے حدیث چلاتے تو اس کو اجازت کے بغیر ذکر نہ کرتے۔''

اور آپ فرماتے ہیں:

''املاء شدہ میں تساہل مابعد کی بنسبت تھوڑا ہے۔''

لہٰذا امام حاکم جس کی تصحیح فرمائیں اور ہم اس بارے کسی معتمد علیہ شخصیت سے تصحیح پائیں نہ تضعیف پائیں تو ہم اس پر ''حسن'' ہونے کا حکم لگائیں گے مگر یہ ہے کہ اس میں ایسی علت ظاہر ہو جائے جو اس کے ضعف کا باعث بنے۔''

''علامہ بدر ابن جماعۃ نے فرمایا: درست یہ ہے کہ اس روایت کی تحقیق کی جائے گی اور حسن، صحیح یا ضعیف ہونے کی حالت کے مطابق حکم لگایا جائے گا۔''

علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ اس سے ذرا آگے فرماتے ہیں:

و قوله: ''فما صححه'' احتراز مما خرّجه في الكتاب

و لم یصرح بتصحیحه فلا یعتمد علیه۔

یعنی مصنف کا قول "فما صححه" میں اس روایت سے احتراز ہو گیا جس کی کتاب (مستدرک) میں تخریج ہوئی ہو لیکن اس کی تصحیح کی صراحت نہ کی گئی تو اس پر اعتماد نہ کیا جائے گا۔"

(تدریب الراوی، الجزء الاول صفحہ: ۱۴۳ تا ۱۴۶، ویلیہ المختصر الحاوی لطارق عوض اللہ: مطبوعہ دار العاصمۃ للنشر والتوزیع الریاض)

خلاصۂ کلام یہ سامنے آیا کہ امام حاکم کی مستدرک کانٹ چھانٹ نہ ہونے کی وجہ سے قابلِ اصلاح ہے، اسی واسطے حافظ ذہبی علیہ الرحمہ نے "تلخیص مستدرک" رقم فرمائی اور اس میں آپ کا انداز یہ ہے کہ من گھڑت، منکر و واہی روایات کا تعاقب کر کے اسے بیان کرنا یہ حافظ ذہبی کی ذمہ داری ہے۔

امام حاکم کے سب سے لائق اور آپ کے پاس زیادہ رہنے والے شاگرد بھی املاء شدہ کے علاوہ روایت آپ کی اجازت سے بیان کرتے تھے۔ امام حاکم جس روایت کی تصحیح نہ فرمائیں بلکہ صرف تخریج فرمائیں تو وہ قابلِ اعتماد نہیں اور جس روایت کی تصحیح فرمائیں تو ابن جماعۃ کے قول کے مطابق اس روایت کی صحت وضعف اور حسن کے اعتبار سے تحقیق کی جائے گی۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس تحقیقی گفتگو کا گذشتہ حدیث پر کیا اثر پڑتا ہے۔ تو ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ولادت در کعبہ کے بارے امام حاکم نے روایت پیش کی جس میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت کے بارے آپ نے تواتر اخبار کا دعویٰ فرمایا ہے۔ اور ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ امام ذہبی علیہ الرحمہ نے اس روایت کی تلخیص کرتے ہوئے تواترِ اخبار کا قول اسی طرح فرما دیا۔ جبکہ ہم ابھی ابھی علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ کی وضاحت سے مستفیض ہو رہے تھے کہ "**و قد لخص الذهبی مستدرکه و تعقب کثیراً منه بالضعف والنکارة...... الخ**"

یعنی امام ذہبی نے مستدرکِ حاکم کی تلخیص کی اور مستدرک کے بہت زیادہ مقامات کا ضعف و نکارت کے ساتھ تعاقب فرمایا اور علیحدہ موضوع احادیث پر ایک جزء بھی جمع کیا۔

سو روایت مستدرک کا سارا وزن اب امام ذہبی علیہ الرحمہ کے کندھوں پر آ پڑا اگر آپ اس پر جرح فرماتے ہیں تو روایت مجروح بھی ہوگی اور مرجوح بھی لیکن ہم نے ملاحظہ کیا کہ امام ذہبی علیہ الرحمہ اس روایت پر جرح نہیں فرماتے بلکہ اسی طرح "**تواترت الاخبار**" فرما کر بات کو ثابت کر رہے ہیں۔ اب فیصلہ کن امر سامنے یہ آیا کہ "حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت در کعبہ روایتِ تلخیصِ مستدرک کے مطابق درست ہے۔"

اسی مقام پر ایک بات سمجھ لی جائے کسی بھی مصنف، شارح و ملخص کے لیے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ جو بات ایک کتاب میں لکھی ہے وہی بات اسی کتاب سے متعلق فن کی دوسری کتاب میں بھی درج کرے، اور اس کی بیسیوں مثالیں درس نظامی کی کتب میں موجود ہیں۔ لہٰذا امام ذہبی علیہ الرحمہ کا اس روایت کو اپنی تاریخ و سیر کی دوسری کتب میں بیان نہ کرنے سے بیان شدہ کی نفی لازم نہیں آتی کیونکہ مقامِ بیان میں سکوت بھی بیان ہوتا ہے۔ اس کی مزید وضاحت اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

سابعاً طرفہ تر یہ کہ شاہ صاحب نے تصانیف حاکم کو بھی طبقۂ رابعہ میں گنا حالانکہ بلاشبہ مستدرک حاکم کی اکثر احادیث اعلیٰ درجہ کی صحاح و حسان ہیں بلکہ اس میں صد ہا حدیثیں بر شرطِ بخاری و مسلم صحیح ہیں قطع نظر اس سے کہ تصانیف شاہ صاحب میں کتب حاکم سے کتنے اسناد ہیں اور بڑے شاہ صاحب کی ازالۃ الخفاء وقرۃ العینین میں تو مستدرک سے تو دہ لو دہ احادیث نہ صرف فضائل بلکہ خود احکام میں مذکور ہیں۔ **کما لا یخفی علی من طالعهما۔** لطیف تر یہ ہے کہ خود ہی بستان المحدثین میں امام الشان ابو عبداللہ ذہبی سے نقل فرماتے ہیں:

انصاف آنست کہ در مستدرک قدرے بسیار بر شرط ایں ہر دو
بزرگ یافتہ میشود یا بشرط یکے از ینہا بلکہ ظن غالب آنست کہ
بقدر نصف کتاب ازیں قبیل باشد و بقدر ربع کتاب از آں جنس
ست کہ بظاہر اسنادِ او صحیح است لیکن بشرط ایں ہر دو نیست و بقدر ربع
باقی واہیات و مناکیر بلکہ بعضے موضوعات نیز ہست چنانچہ من در
اختصار آں کتاب کہ مشہور بتلخیص ذہبی است خبردار کردہ ام۔ انتہی۔

ترجمہ: ''انصاف یہ ہے کہ مستدرک میں اکثر احادیث ان دونوں
بزرگوں (بخاری و مسلم) یا ان میں سے کسی ایک کے شرائط پر ہیں
بلکہ ظنِ غالب یہ ہے کہ تقریباً نصف کتاب اس قبیل سے ہے اور
تقریباً اس کا چوتھائی ایسا ہے کہ بظاہر ان کی اسناد صحیح ہیں لیکن ان
(بخاری و مسلم) کی شرائط پر نہیں اور باقی چوتھائی واہیات اور مناکیر
بلکہ بعض موضوعات بھی ہیں اس لیے میں نے اس کے خلاصہ جو کہ
تلخیصِ ذہبی سے مشہور ہے میں اس بارے خبردار کیا ہے۔ انتہی''

تنبیہ: بحمداللہ ان بیانات سے واضح ہوگیا کہ اس طبقہ والوں کی احادیث
متروکہ سلف کو جمع کرنے کے معنیٰ اس قدر ہیں کہ جن احادیث کے ایراد سے انہوں
نے درج کیں نہ یہ کہ انہوں نے جو کچھ لکھا سب متروک سلف ہے مجرد عدم ذکر کو اس
معنیٰ پر محمول کرنا کہ ناقص سمجھ کر بالقصد ترک کیا ہے محض جہالت ورنہ افراد بخاری
متروکات مسلم ہوں اور افراد مسلم متروکات بخاری اور ہر کتاب متاخر کی وہ حدیث کہ
تصانیف سابقہ میں نہ پائی گئی تمام سلف کی متروک مانی جائے، مصنفین میں کسی کو
دعوائے استیعاب نہ تھا۔ امام بخاری کو ایک لاکھ احادیث صحیحہ حفظ تھیں۔ صحیح بخاری میں
کل چار ہزار بلکہ اس سے بھی کم ہیں۔ کما بینہ شیخ الاسلام فی فتح الباری
شرح صحیح البخاری۔

(یہاں تک اعلیٰ حضرت کے کلام سے ایک تو کتاب مستدرک کی قدرے

ثقاہت معلوم ہوئی۔ دوسرا یہ بیان فرمایا کہ ایک روایت کسی ایک کتاب میں آئے اور
دوسری کتاب میں وہ روایت درج نہ ہو تو یہ ناقص سمجھ کر ترک کرنا نہیں ہوتا۔ چہ جائیکہ
روایت کسی ایک کتاب میں آ جائے تو وہ قابلِ اعتناء نہ ہو سو امام ذہبی جیسی شخصیت
تلخیصِ مستدرک میں ایک روایت کو بیان کریں اور اپنی دیگر تصانیف میں نہ بیان
کریں تو یہ بھی ناقص سمجھ کر ترک کی وجہ نہیں ہے۔ تامل)

ثامناً شاہ صاحب اس کلام امام ذہبی کو نقل کر کے فرماتے ہیں۔ والہٰذا علمائے
حدیث قرار دادہ اند کہ بر مستدرک حاکم اعتماد نباید کرد مگر بعد از دیدن تلخیص ذہبی۔
(اسی لیے محدثین نے یہ ضابطہ مقرر کر دیا ہے کہ مستدرکِ حاکم پر ذہبی کی تلخیص دیکھنے
کے بعد اعتماد کیا جائے گا)

اور اس سے پہلے لکھا ہے۔

ذہبی گفتہ است کہ حلال نیست کسے را کہ بر تصحیح حاکم غرہ شود تا وقتیکہ تعقبات و
تلخیصات مرا نہ بیند و نیز گفتہ است احادیث بسیار در مستدرک بر شرط صحت نیست بلکہ
بعضے از احادیث موضوعہ نیز ست کہ تمام مستدرک باآنہا معیوب گشتہ۔

امام ذہبی نے کہا ہے کہ امام حاکم کی تصحیح پر کوئی کفایت نہ کرے۔ تا وقتیکہ اس
پر میری تعقبات و تلخیصات کا مطالعہ نہ کرے اور یہ بھی کہا ہے کہ بہت سی احادیث
مستدرک میں شرطِ صحت پر موجود نہیں بلکہ بعض اس میں موضوعات بھی ہیں جس کی وجہ
سے تمام مستدرک معیوب ہوگئی ہے۔

(بستان المحدثین اردو صفحہ ۲۰۷، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی، بستان المحدثین عربی صفحہ: ۱۰۴، صحیح الحاکم،
مطبوعہ دار الغرب الاسلامی، فتاویٰ رضویہ، جلد: ۵، صفحہ: ۵۴۵، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اب ہم امام حاکم علیہ الرحمہ کے متعلق اختصاراً احوال معلوم کرتے ہیں۔

امام حاکم کے بارے محدثین کرام عقیدہ کے مسئلہ کو بہت زیادہ اٹھاتے
ہیں۔ چنانچہ میزان الاعتدال میں حافظ شمس الدین ذہبی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

محمد بن عبداللہ الضبی النیسابوری، الحاکم

ابوعبدالله الحافظ، صاحب التصانيف، امام صدوق لكنه يصحح في مستدرکه احاديث ساقطة و يكثر من ذٰلك فما ادري هل خفيت عليه فما هو ممن يجهل ذٰلك و ان علم فهذه خيانة عظيمة ثم هو شيعي مشهور بذٰلك من غير تعرض للشيخين و قد قال ابن طاهر: سالت ابا اسماعيل عبدالله الانصاري عن الحاكم ابي عبدالله فقال: امام في الحديث رافضي خبيث قلت الله يحب الانصاف ما الرجل برافضي بل شيعي فقط۔

ترجمہ: ''یعنی امام حاکم علیہ الرحمہ کئی ایک کتب کو تصنیف فرمانے والے، امام صدوق تھے لیکن انہوں نے مستدرک میں ساقط احادیث کی بھی تصحیح کر دی اور ایسا کثرت سے کیا ہے، میں نہیں جانتا کہ یہ احادیث ان پر مخفی رہیں جس کی وجہ سے وہ ان احادیث کے بارے نہ جاننے والوں میں ہو گئے اور اگر آپ نے جانتے ہوئے ایسا کیا ہے تو یہ عظیم خیانت ہے۔ پھر امام حاکم شیعہ مشہور ہیں لیکن اس کے باوجود شیخین کریمین (حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما) کے درپے نہیں ہوتے۔''

اور ابن طاہر نے کہا کہ میں نے ابواسماعیل عبداللہ انصاری سے امام حاکم کے متعلق پوچھا تو وہ کہنے لگے، حدیث کا امام اور خبیث رافضی تھا۔ ''لیکن میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انصاف کو پسند فرماتا ہے امام حاکم رافضی نہ تھے بلکہ فقط شیعی (۱) تھے۔''

اس سے آگے حافظ شمس الدین ذہبی علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں:

(۱) خیال رہے کہ شیعی اور شیعہ میں فرق ہے شیعہ کا اطلاق رافضیوں اسماعیلیوں اور اسی طرح اس فرقے کی دیگر شاخوں پر ہوتا ہے جبکہ شیعی محدثین کے نزدیک ایک اصطلاح ہے جسے بول کر وہ ایسا طبقہ مراد لیتے ہیں جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو جناب عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے ہیں۔

ر من شقا شقه قوله: اجمعت الامة ان الضبي كذاب و قوله: ان المصطفٰى صلى الله تعالٰى عليه و له وسلم ولد مسروراً مختونا قد تواتر هذا و قوله: ان عليا وصي۔ فاما صدقه في نفسه و معرفته بهذا الشان فاَمر مُجمع عليه۔

یعنی امام حاکم کے چند سنگین اقوال یہ ہیں:

''امت نے اجماع کیا ہے کہ ضبی کذاب ہے۔''

''بیشک مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے ہوئے اور ختنہ شدہ پیدا ہوئے اور یہ تواتر سے ثابت ہے۔''

''بیشک حضرت علی حضور علیہ السلام کے وصی ہیں۔''

''رہ گیا امام حاکم کا اپنی ذات کے اعتبار سے سچا ہونا اور ان کی اس سچائی کی شان کے ساتھ پہچان تو وہ مجمع علیہ امر ہے۔''

(میزان الاعتدال فی نقد الرجال، جلد:۳، صفحہ:۶۰۸، رقم:۷۸۰۴، مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت، لبنان)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ امام حاکم رافضی نہیں شیعی تھے اور دوسرا اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام حاکم نے حضور علیہ السلام کے بارے مسرور و مختون کے بارے تواتر کا دعویٰ کیا لیکن امام ذہبی نے اسے رد کر دیا کہ تواتر کا دعویٰ اس بارے درست نہیں ہے۔ اور اسی طرح آپ نے مستدرک کی تلخیص میں بھی یہی فرمایا۔ لہٰذا ایسا ہی ہم ''مولودِ کعبہ'' کے روایت کے متعلق کہیں گے کہ وہاں تواتر اخبار کا دعویٰ تو امام حاکم کا ملتا ہے لیکن تلخیصِ ذہبی میں اس کا رد نہیں ملتا۔ خیال رہے کہ شیعی اور رافضی ہونے میں بڑا فرق ہے متقدمین کی اصطلاح کے مطابق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر فضیلت دینے والے کو ''تشیع'' کہتے تھے جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین سے افضل ماننے والے کو غالی شیعہ جس کو رافضی بھی کہتے ہیں اور اگر وہ شیخین کو سب و شتم بھی کرے یا ان سے بغض رکھے تو وہ غالی رافضی ہے۔

(وفیات الاعیان جلد:۱، صفحہ:۳۵، تہذیب التہذیب، جلد:۱، صفحہ:۹۷، تذکرۃ المحدثین صفحہ:۲۸۰ تا ۲۸۲،

ذکرامام نسائی، مطبوعہ فرید بک سٹال، اردو بازار، لاہور)

امام حاکم پر شیعی ہونے کا الزام ہے یعنی آپ پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فضیلت دینے کا الزام ہے۔ اگر یہ بات درست تسلیم کرلی جائے تو ایسے عقیدہ کی روایت بعض احناف اور صحابی رسول حضرت ابوطفیل۔ ے بھی مروی ہے۔

(شرح فقہ اکبر للملا علی قاری علیہ الرحمہ، صفحہ:۶۳، ۶۰ مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی)

معلوم ہوا ''شیعی محض'' یہ شخصیت کو عندالمحدثین مجروح نہیں کرتا، ورنہ امام عبدالرزاق اور امام نسائی کی شخصیت مجروح ہو جاتی کیونکہ ان پر بھی شیعہ ہونے کا الزام تھا۔ (بستان المحدثین، صفحہ:۱۰۹، ۸۷، مطبوعہ دارالغرب الاسلامی)

اور اگر شیعی سے مراد بدعتی مانا بھی جائے تو بدعتی کی روایت کو قبول کرنے کے بارے صراحۃً قول موجود ہیں کہ شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے روایت قبول ہوگی۔

(كتاب الموضوعات لابن جوزى، المقدمه، الباب الاول، صفحه: ۷۱، ۷۲ الفصل الثالث، مطبوعه اضواء السلف، مكتبه التدمرية/ ميزان الاعتدال فى معرفة الرجال به تحقيق على محمد البجاوى، جلد:۱، صفحه:۵، ۶، مطبوعه دار المعرفة بيروت لبنان)

سوالات مسعود بن علی السجزی (للامام الحافظ ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم النیساپوری، المتوفی ۴۰۵ھ) پر دراسۃ وتحقیق کرتے ہوئے محقق ڈاکٹر موفق بن عبداللہ بن عبدالقادر نے اس کتاب کے مقدمہ میں صفحہ:۱۲ سے ۲۲ تک۔

امام حاکم کے عقیدہ کے مسئلہ کو خوب واضح کیا اور تحقیق کے بعد نتیجہ یہ نکالا کہ امام حاکم اشعری العقیدہ تھے، محمد بن طاہر مقدسی (جو کہ خود مجروح ہے دیکھیے میزان الاعتدال، جلد:۳، صفحہ:۵۸۷، مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت لبنان)

اور اس جیسے دیگر افراد جنہوں نے تعصب کی بنا پر امام حاکم علیہ الرحمہ کو شیعہ لکھ دیا ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں۔ اور جس بنا پر آپ کو شیعہ کہا گیا ہے اس اعتبار سے کئی ایک بزرگوں کو بھی شیعہ کہنا پڑے گا۔

(دیکھیے، سوالات مسعود بن علی السجزی صفحہ:۱۲ تا ۲۲، مطبوعہ دارالغرب الاسلامی)

عقيدة الحاكم واتهامه بالتَّشيّع والرَّفض:

أُتهم الحاكم رحمهُ الله تعالىٰ بالتَّشيّع لعليٍّ رضيَ الله عنهُ، كما اتُهمَ رحمهُ الله بالرَّفض، ولا شكَ أنَّ تُهماً مثل هذه تحتاجُ إلىٰ العناية في البحث والدِّقةِ قبل تكذيبها أو تصديقها...

قال الخطيب البغدادي: «وكانَ ابنُ البَيِّع يميل الىٰ التَّشيّع، فحدَّثني ابو إسحاق إبراهيم بن مُحمّد الأُرْمَوي بنَيْسابور - وكان شيخاً صالحاً فاضلاً عالِماً - قال: جمع الحاكمُ ابو عبدالله احاديثَ زَعم أنَّها علىٰ شرطِ البُخاريِّ ومُسْلِم يلزمهما إخراجها في صَحيحيهما، منها حديثُ الطير «ومَنْ كنتُ مَوْلاهُ فَعليّ مولاه»، فأنْكَرَ عليهِ أصحابُ الحديثِ ذلكَ ولم يلتفتُوا فيه الىٰ قولِه، ولا صَوَّبوهُ في فِعْلِه»[1] كما نقل الذَّهبيُّ رَحمهُ الله تعالىٰ عن مُحمَّد بنِ طاهر المقدسي: «أنَّهُ سألَ أبا إسماعيل عَبْدَالله بْنَ مُحمّد الهَرَويَّ، عن ابي عَبْدِالله الحاكم؟ فقال: ثِقةٌ في الحديثِ رافضيٌّ خبيثٌ»[2].

وقال ابنُ طاهر: كان شديدَ التَّعصُّب للشِّيعةِ في الباطنِ، وكان يُظْهِرُ التَّسنُّنَ في التَّقديم والخِلافَةِ، وكان مُنْحَرِفاً غالياً عَن مُعاوية رضي الله عنهُ وعن أهلِ بيتِه[3]، يتظاهَرُ بذلكَ، ولا يعتذِرُ منهُ، فَسَمِعْتُ أبا الفتح سمكويه بهَراة، سمعتُ عَبْدَ الواحد المَليحي، سَمِعْتُ أبا عَبْدَ الرَّحمٰن السُّلمي يقول: دخلتُ علىٰ الحاكم وهو في دارِهِ، لا يُمْكِنُهُ الخروجُ إلىٰ المسجِدِ مِنْ اصحاب ابي عبدالله بن كَرّام، وذلك أنَّهُم كسروا مِنْبرهُ، ومنعوهُ مِن

(١) تاريخ بغداد: ٤٧٤/٥.
(٢) سير اعلام النبلاء: ١٧٤/١٧.
(٣) نَعم رضي الله عن مُعاوية... ولكن إطلاق التَّرضي علىٰ اهل بيته هكذا فيه الكثير مِنَ المجازفة فقد قال الذَّهبي رحمهُ الله تعالىٰ في «يزيد بن مُعاوية» «ويزيد مِمَّن لا نسبُّهُ ولا نُحبُّهُ» سير اعلام النبلاء: ٣٦/٤ وقال الحافظ ابن حجر في التقريب: ٣٧١/٢ «وليس باهل ان يروىٰ عنهُ» فلذا كان ابن طاهر رحمه الله تعالىٰ يفكِّر بهذه العقلية فلا عجب منه ان يتّهم الحاكم رحمهُ الله تعالىٰ بالتَّعصُّب للشِّيعة، فتأمّل.

الخروج، فقلتُ له: لو خرّجتَ وأمليتَ في فضائلِ هذا الرَّجل حديثاً، لاسترحتَ مِنَ المحنةِ، فقال: لا يجيءُ مِنْ قلبي، لا يجيءُ مِنْ قلبي»[2].

وقد دافعَ الذَّهبيُّ رحمهُ الله تعالىٰ عن الحاكم، وردَّ علىٰ مَن اتّهمهُ بالرَّفضِ فقال: «قلتُ: كلَّا ليسَ هو رافضياً، بلىٰ يتشيّع»[2].

وقال أيضاً: «قلتُ: أمّا انحرافهُ عن خُصومِ عليٍّ فظاهر، وأمّا أمرُ الشَّيخَيْن فمُعَظِّمٌ لهما بكُلِّ حالٍ، فهو شيعيٌّ لا رافضيٌّ»[3].

وقال أيضاً: «قلتُ: الله يُحبُّ الإنصاف، ما الرَّجل برافضيٍّ، بل شيعيٌّ فقط»[4].

وقال أيضاً: «هو شيعيٌّ مشهورٌ بذلك مِن غيرِ تعرّض للشّيخين»[5].

وقال: «فأمّا صِدْقهُ في نَفْسِهِ وَمَعرفتهُ بهذا الشَّأنِ فأمرٌ مُجْمَعٌ عليه»[6].

وقال السَّمعاني: «وكانَ فيه تشيّع»[7].

والذي يظهر لنا أنَّ إخراج الحاكم لحديث الطَّيْر[8] في «المستدرك» إنّما

---

(1) المنتظم: ٧/٥٧، سير أعلام النبلاء: (١٧/١٧٤ - ١٧٥)، وهذه الرّواية لا يوجد فيها أي دليل علىٰ «تشيّع» الحاكم بل دليل علىٰ رفضه أن يُملي في فضائل ابن كرّام المبتدع فتأمّل...

(2) سير أعلام النبلاء: ١٧/١٧٤.

(3) تذكرة الحفاظ: ٣/١٠٤٥.

(4) ميزان الاعتدال: ٣/٦٠٨.

(5) ميزان الاعتدال: ٣/٦٠٨.

(6) ميزان الاعتدال: ٣/٦٠٨.

(7) الأنساب: ٢/٣٧١.

(8) أخرج الحاكم بسنده في المستدرك (٣/١٣٠ - ١٣١) عن أنس رضي الله عنه (كنتُ أخدمُ رسولَ الله ﷺ فقُدِّمَ لهُ فرخٌ مشوي فقال: «اللّهُمَّ ائتني بأحبِّ خلقِكَ إليكَ يأكُلُ معي من هذا الطَّيْر، فقلتُ: اللّهُمَّ اجعلهُ رجُلاً مِنَ الأنصار، فجاءَ عليٌّ. فقلتُ: إنَّ رسولَ الله ﷺ على حاجةٍ... الحديث») قال الحاكمُ: هذا حديثٌ صحيحٌ =

هو لاجتهادٍ منهُ، فقد نقل الذَّهبيُّ بسندهِ عن أبي عَبْدِ الرَّحمٰن الشَّاذياخي قوله: «كُنّا في مجلس السَّيِّد أبي الحسن، فَسُئِلَ الحاكمُ عن حديث الطَّيْر؟ فقالَ: لا يصحُّ، ولو صَحَّ لما كانَ أحدٌ أفضلَ مِنْ عليٍّ بعد النَّبيِّ ﷺ»[1].

قال الذَّهبي: «فهذهِ حكايةٌ قويةٌ، فما بالُه أخرجَ حديث الطَّيْر في «المستدرَك»؟ فكأنَّهُ اختلف اجتهادُهُ، وقد جَمَعْتُ طُرُقَ حديث الطَّيْر في جُزءٍ، وطرق حديث: «مَنْ كُنْتُ مولاهُ»[2] وهو أصحُّ»[3].

وقال أيضاً: (وأما حديث الطَّيْر فلهُ طُرُق كثيرة جدّاً قد أفردتها بمُصنّفٍ ومجموعها يوجب أن يكونَ الحديث لهُ أصْلٌ، وأمّا حديث «مَنْ كُنتُ مَوْلاهُ» فله طرقٌ جَيِّدَة، وقد أفردتُ ذلك أيضاً)[4].

وقد دافَع السُّبكيُّ في «طبقات الشَّافعية الكبرىٰ» عن الحاكم، وردَّ علىٰ مَنْ اتّهمهُ بالرَّفض فقال: «وأمّا الحكم علىٰ حديثِ الطَّيْرِ بالوضع لغير

= علىٰ شرط الشيخان ولم يُخرِّجاه. والترمذي في المناقب (٥/٣٠٠)، والنسائي في خصائص علي بن أبي طالب رقم (١٠) وانظر التعليق الذي كتبه محقق الكتاب علىٰ الحديث.

(1) سير أعلام النبلاء: ١٧/١٦٨.

(2) أخرجه ٣/١١٠ من حديث زيد بن أرقم، وأحمد في المسند: ٤/٣٦٨، والترمذي رقم (٣٧١٣)، وأحمد في فضائل الصحابة: ٢/٥٦٩ رقم (٩٥٩) وهو حديث إسناده صحيح، وأخرجه الحاكم: ٣/١١٠ من حديث البراء، وأحمد في المسند: ... ومن حديث أبي الطّفيل أخرجه أحمد في المسند: ٤/٣٧٠، والحاكم ٣/١٠ ... حبان كما في موارد الظمآن رقم: (٢٢٠٥)، وأخرجه من حديث سعد بن أبي وقاص ابن ماجه رقم (١٢١)، وانظر الحديث برواياته المتعدّدة في «فضائل الصحابة» للإمام أحمد رقم: (٩٥٩) (١٠٠٧) (١٠٢١) (١٠٤٨) (١١٦٧) (١٢٠٦) و«فضائل الصحابة للنسائي» رقم: (٤١) و(٤٢) وقد صحح الحديث ابن حجر في فتح الباري: ٧/٧٤.

(3) سير أعلام النبلاء: (١/١٦٨ - ١٦٩).

(4) تذكرة الحفاظ: (٣/١٠٤٢ - ١٠٤٣).

جَيِّد، ورأيتُ لِصَاحِبنا الحافظ صلاح الدِّين خليل بن كَيْكَلْدي العلائي عليه كلاماً قال فيه بعدما ذَكَر تخريج الترمذي لَهُ، وكذلك النَّسائي في «خصائص عليٍّ رضي الله عنه». إنَّ الحقَّ في الحديث أنَّهُ رُبَّما ينتهي إلىٰ دَرَجَةِ الحسن، أو يكون ضعيفاً يُحتَمل ضَعْفُهُ.

قال: (فأمَّا كونه ينتهي إلىٰ أنَّهُ موضوع مِن جميع طرقه فلا)[1] وقال السُّبكيُّ: (. . . فتأمَّلتُ مع ما في النَّفْسِ مِن الحاكم.... فأوقعَ الله في نفسي أنَّ الرَّجُلَ كان عندهُ ميل إلىٰ عليٍّ رضي الله عنهُ يزيد علىٰ الميل الَّذي يطلبُ شرعاً[2]، ولا أقول: إنَّهُ ينتهي بِهِ إلىٰ أن يضع مِن أبي بكر وعُمر وعثمان رضي الله عنهم، ولا أنَّهُ يفضِّلُ علياً علىٰ الشَّيخين، بل أستبعد أن يُفَضِّلَهُ علىٰ عُثمان رضي الله عنهما، فإنِّي رأيته في كتابِهِ «الأربعين» عقد باباً لتفضيل أبي بكر وعُمر وعُثمان، واختصَّهم مِن بين الصَّحابة، وقدَّمَ في «المستدرك» ذِكْر عُثمان علىٰ عليٍّ رضيَ الله عنهما. . . وأخرجَ غير ذَٰلك مِنَ الأحاديث الدَّالة علىٰ أفضليَّة عُثمان مع ما في بعضها مِن الاستدراك عليهِ، وذكَر فضائل طلحة والزُّبير، وعبدالله بن عمرو بن العاص، فقد غلبَ الظنَّ أنَّهُ ليس فيه وَلِلَّهِ الحمد شيءٌ مِمَّا يُسْتَنكَر عليه إفراط في ميل لا ينتهي إلىٰ بِدْعَةٍ، وأنَا أجوِّز أن يكون الخطيب إنَّما يعني بالميلِ إلىٰ ذلك، ولذلك حكَمَ بأنَّ الحاكم ثِقة، ولو كان يعتقد فيه رفضاً لجرَّحهُ، لا سيما علىٰ مذهبِ مَن يرىٰ ردّ رواية المبتدع، فكلام الخطيب عندنا يقرب مِنَ الصَّواب)[3].

قلتُ: ويُلاحظ هنا ما يلي:

(١) طبقات الشافعية الكبرىٰ: (٤/١٦٩ - ١٧٠).

(٢) كذا قال السُّبكي رحمه الله تعالىٰ ولم يأتِ بدليلٍ واحدٍ علىٰ ما قاله بل سيذكر العكس فتأمَّل.

(٣) طبقات الشافعية الكبرىٰ: (٤/١٦٧ - ١٦٨) وانظر دفاع السُّبكي رحمهُ الله تعالىٰ عن الحاكم وتبرأته من الرفض في طبقات الشافعية: (٤/١٦٢ - ١٧٠).

١ - إنَّ قول الخطيب رحمه الله في تاريخ بغداد[1]: «وكان ابن البيِّع يميل إلى التَّشيّع» مُسْتَندها إلىٰ إخراج الحاكم لحديث «الطَّير» وحديث «مَن كنتُ مولاه فَعليٌّ مولاه». كما ذَكَر ذَلِك في تاريخ بغداد: «فأنكـر عليه أصحاب الحديث ذلك ولم يلتفتوا فيهِ إلىٰ قوله، ولا صَوَّبوه في فِعْلِهِ» كما نقل عن أبي إسحاق إبراهيم بن مُحمَّد الأُرْمَويِّ[2].

ونحن هنا نتساءل: هل الحاكم هو الوحيد الَّذي أخرج حديث الطَّير أم سبقهُ إلىٰ ذلك غيره مِنَ الحفَّاظ كما تقدم تخريجه فقد رواه الترمذي في المناقب: ٥/٣٠٠، والنَّسائي كما في خصائص علي حديث رقم: (١٠) فلماذا يُتَّهم الحاكم لِروايته حديث الطَّير بالتَّشيّع وتُثار حولهُ الشُّبهات.. ولا تُثار علىٰ الَّذين سبقوهُ مِنَ الأئمَّة الحفَّاظِ؟!!.

وأمَّا حديث: «مَن كُنتُ مولاهُ فَعليٌّ مولاهُ» فهو حديثٌ صَحيح رواه الإمام أحمد وغيره كما تقدَّم تخـريجه فلماذا يُنكِرُ عليه أصحاب الحديث ذلك «ولم يلتفتوا فيهِ إلىٰ قوله، ولا صوَّبوه في فعله» ولم يُنْكِروا علىٰ الإمام أحمد رحمهُ الله تعالىٰ وعلىٰ غيرِهِ مِنَ الحفَّـاظ الذين أخرجوه. . .؟!! والأدهىٰ مِن ذلكَ وأمرّ أنَّهُ حديث صحيح كما تَقدَّمَ تخريجه. . .

٢ - الرِّواية التي ذكرها الذَّهبي رحمهُ الله تعالىٰ عن ابن طاهـر المقدسيّ: «أنَّهُ سألَ أبا إسماعيل عبدالله بن مُحمَّد الهَرَويَّ عن أبي عبدالله الحاكم، فقال: ثقةٌ في الحديث، رافضي خبيث»[3].

هذا الجرح مرفوض لأسبابٍ عديدةٍ منها:

أنَّ محمَّد بن طاهر المقدسي رحمهُ الله تعالىٰ يُفَكِّر بعقليَّةٍ سبق التَّعليق عليها فلا يُقبل حكمهُ علىٰ الحاكم في هذا الأمر.

(١) تاريخ بغداد: ٥/٤٧٤.

(٢) تاريخ بغداد: ٥/٤٧٤.

(٣) سير أعلام النبلاء: ١٧/١٧٤، تذكرة الحفاظ: ٣/١٠٤٥.

والثّاني أنَّ أبا إسماعيل عبدالله بن مُحمَّد الهرويّ رحمةُ الله تعالىٰ وصفهُ الذَّهبيّ بأنَّهُ: «كان أثرياً قُحّاً، ينالُ مِنَ المُتَكَلِّمةِ»[١] والمعروف أنَّ الحاكم رحمةُ الله تعالىٰ كان: أشعريَّ العقيدة[٢] لذا لن يُقبل قوله في الحاكم إلاَّ بدليلٍ واضحٍ بيِّن علىٰ تشيّع الحاكم أو رفضهِ. . .

يُضاف إلىٰ ذلك أنَّ شيخَ الإسلام الهَرويّ رحمةُ الله تعالىٰ كان حَنْبَلِيّاً مُتَعَصِّباً لمذهبهِ وهو القائلُ:

أنـا حَنْبَلِيٌّ مـا حَيِيتُ وإنْ أَمُتْ فـوَصِيَّتي للنَّـاسِ أن يتحنْبَلوا[٣]

وكان الإمام الحاكم رحمةُ الله تعالىٰ شافعياً. . .

وأمَّا قول ابنُ طاهر: «كان شديدَ التعَصّب للشّيعةِ في الباطن، وكان يُظهِرِ التَّسنُّنِ في التّقديم والخِلافة، وكان مُنْحَرِفاً غالياً عن معاوية رضي الله عنه، وعن أهل بيته»[٤].

فقد سبق مُناقشته؛ وَقُلنا: إنَّ ابن طاهر المقدسي رحمةُ الله تعالىٰ يُفَكِّر بعقلية لا تصلح لمناقشة الحاكم رحمةُ الله تعالىٰ. . يُضَاف إلىٰ ذلك أنَّهُ استدل علىٰ طعنهِ بعقيدة الحاكم بدليل يصلُح حجّة للحاكِم لا عليه، فقد روىٰ عن أبي عبد الرَّحمٰن السُّلمي قوله: «دَخلتُ على الحاكم وهو في دارهِ، لا يُمْكِنُهُ مِنَ الخروجِ إلى المسْجد مِن أصحابِ أبي عَبْدِالله بن كَرَّام. . . فقُلتُ: لو خَرجتَ وأمليتَ في فضائلِ هذا الرَّجُلِ حديثاً، لاسترحتَ مِنَ

(١) سير أعلام النبلاء: ٥٠٦/١٨. ولهذا السّبب تكلَّم في الإمام أحمد بن الحسن الحيري لأنَّهُ كان أشعرياً وقد قال الذهبي في الإمام الحيري في سير أعلام النبلاء: ٥٠٦/١٨ «ثقةٌ عالم».

(٢) طبقات الشافعية للسُّبكي: ١٦٢/٤.

(٣) سير أعلام النبلاء: ٥٠٦/١٨، تذكرة الحفاظ: ١١٨٦/٣ وانظر طبقات الحنابلة: ٢٤٨/٢.

(٤) سير أعلام النبلاء: (١٧/ ١٧٤ - ١٧٥).

المِحْنَةِ، فقال: لا يجيءُ مِنْ قلبي، لا يجيءُ مِنْ قلبي»[١].

فلا أدري ما عِلاقة هذهِ الحكاية بتشيّع الإمام الحاكم رحمةُ الله تعالىٰ. . إنَّ هذه الحكاية دليلٌ علىٰ صِدقِ الإمام الحاكم وسلامة عقيدته وأنّهُ رفض أن يُنافق ويُملي في فَضَائِل «مُحمَّد بن كَرَّام»[٢]. . . وفوق ذلك كلّه تقدَّم نقل قول السُّبكي رحمةُ الله تعالىٰ: (. . فإنِّي رأيتُ في كتابه «الأربعين» عقد باباً لتفضيلِ أبي بكر وعُمر وعثمان، واختصَّهم من بينِ الصَّحابةِ، وقدَّمَ في «المستدرك» ذِكْر عُثمان علىٰ عليٍّ رضيَ الله عنهما. . وأخرج غير ذلك مِنَ الأحاديث الدَّالة علىٰ أفضليَّة عثمان. . . وذَكَر فضائل طَلْحَة والزُّبير، وعبدالله بن عَمرو بن العاص. . .)[٣].

إنَّ الأدِلّة المتقدِّمة والتي طعَنَت في عقيدة الحاكم لا تصلحُ أن تكونَ دليلاً علىٰ «تشيّع» الحاكم فضلاً عن أن يُتّهم بالرَّفض. . .

كما أنَّ اتِّهام مسلم في «عقيدته» أمرٌ بالغ الخطورة يحتاج إلىٰ بيِّنَةٍ واضحةٍ، ودليلٍ قويّ، فكيف إذا كان هذا المُسْلِمُ إماماً مِن أئمّةِ الدِّينِ وعَلَماً مِن أعلام السُّنَّةِ ورَجُلاً مِن رِجالِ الحديثِ الَّذينَ وَثَّقَهُ أهل عَصْرِه وَشهدوا لهُ بالحفظ والإتقان والإمامة وجلالة القدر فضلاً عن التَّقوىٰ والصَّلاح. . . بل قدَّموهُ علىٰ أنفسهم، وفوق ذلك كلّه أنَّ لَهُ «مُصَنَّفات» تثبت خلاف ما اتُّهِمَ بِهِ. . . وإنِّي لأعجب مِن الإمام الذَّهبي رحمةُ الله تعالىٰ كيف أورد بعضَ هذه الرِّوايات دونَ أن يُناقشها المناقشة العِلْميَّة المعهودة فيه. . . نعم قد رَدَّ علىٰ بعضها وضَعَّفها غير أنَّ المطلوب منهُ أن لا يقولَ في إمام كالحاكم: «فهو شيعيّ لا رافضيّ» دون أن يأتي بِدَليلٍ قويٍّ يصلح لاتّهامه بالتَّشيّع. . .

(١) المنتظم: ١٧٥/١٧.

(٢) انظر ترجمته ومصادرها في سير أعلام: (٥٢٣/١١ - ٥٢٤).

(٣) طبقات الشافعية الكبرىٰ: (١٦٧/٤ - ١٦٨).

أقوال العُلماء فيه وثناؤهم عليه:

١ ـ قال الخطيبُ البغداديُّ: «كان مِنْ أهلِ الفَضْلِ والعِلْمِ والمعرفةِ والحفظِ، ولهُ في علومِ الحديثِ مُصَنَّفات عدَّة... وكان ثقة»(١).

٢ ـ وقال عَبْدُ الغافِرِ بْنُ إسماعيل: «هو إمامُ أهلِ الحديثِ في عَصْرِهِ، العارِفُ به حَقَّ معرفتِهِ... وبيتُهُ بيتُ الصَّلاحِ والورَعِ والتَّأذينِ في الإسلامِ... وتصانيفُهُ المشهورةُ تطْفَحُ بذِكْرِ شيوخِهِ، وقرأ بخُراسانَ على قُرَّاءِ وقتِهِ، وتفقَّهَ علىٰ أبي الوليد، والأستاذِ أبي سَهْل، واختصَّ بصُحبةِ الإمام أبي بكر الصِّبْغي، وكان الإمامُ يُراجعُهُ في السُّؤالِ والجَرْحِ والتَّعديل، وأوصىٰ إليهِ في أمورِ مدرستهِ دارِ السُّنَّةِ، وفوَّضَ إليهِ توليةَ أوقافهِ في ذلكَ، وذاكَرَ مثل الجِعَابي، وأبي عليّ الماسَرْجِسِيِّ الحافظ الذي كان أحفظَ زمانه، وقد شرَعَ الحاكمُ في التَّصنيفِ سنة سبعٍ وثلاثين، فاتَّفقَ له مِنَ التَّصانيف ما لعلَّهُ يبلغ قريباً مِن ألفِ جزءٍ...

ولقد سمعتُ مشايخنا يذكرون أيّامه، ويحكُون أنَّ مُقَدَّمي عصرهِ مثلَ أبي سَهْلٍ الصُّعْلوكي، والإمام ابنِ فُورك وسائِرَ الأئمَّة يُقَدِّمونهُ علىٰ أنفسِهِم، ويُراعونَ حقَّ فضلِهِ، ويعرفونَ لهُ الحرمة الأكيدة.

ثُمَّ أطنب عبد الغافر في نحو ذلك مِن تعظيمه، وقال: هذهِ جملٌ يسيرةٌ هي غيضٌ مِن فيضِ سِيَرِهِ وأحوالِهِ، ومَن تأمَّلَ كلامَهُ في تصانيفِهِ، وتَصَرُّفه في أماليهِ، ونَظَرَهُ في طُرُقِ الحديث، أذعنَ بفضلِهِ، واعترفَ له بالمَزِيَّة على مَن تَقَدَّمَهُ، وإتعابَهُ مَنْ بعدهُ، وتعجيزَه اللاَّحقين عَن بُلوغِ شَأْوِهِ، وعاشَ حميداً، ولم يُخَلِّف في وقتِهِ مثلَه»(٢).

---

(١) تاريخ بغداد: ٤٧٣/٥.

(٢) سير أعلام النبلاء: (١٦٩/١٧ ـ ١٧١)، تذكرة الحفاظ: (١٠٤٣/٣ ـ ١٠٤٤)، طبقات الشافعية الكبرىٰ: ١٥٩/٤.

٣ ـ وقال العَبْدُوي: «وسمعتُه أبا عَبْدَ الرَّحمٰن السُّلَمي يقول: كتبتُ علىٰ ظَهْرِ جُزءٍ مِن حديثِ أبي الحُسَين الحَجَّاجيّ: الحافظ. فأخذَ القلمَ، وضَربَ علىٰ الحافظِ، وقال: أيش أحفظُ أنا؟ أبو عبدالله بنُ البيِّع أحفظُ منّي، وأنا لم أرَ مِنَ الحُفَّاظِ إلاَّ أبا عليّ النَّيسابوري، وأبا العباس بنَ عُقْدَة. وسمعتُ السُّلَميُّ يقولُ: سألتُه الدَّارَقُطْني: أيُّهما أحفظُ: ابنُ مَنْدَة، أو ابنُ البيِّع؟ فقال: ابنُ البيِّع أتقنُ حفظاً»(١).

٤ ـ وقال أبو حازم: «أقمتُ عند أبي عَبْدِالله العُصْمي قريباً مِن ثلاثِ سنينَ، ولم أرَ في جُمْلَةِ مشايخنا أتقنَ منهُ ولا أكثَر تنقيراً، وكانَ إذا أشْكَلَ عليه شيءٌ، أمرني أن أكتُبَ إلىٰ الحاكمِ أبي عَبْدِالله، فإذا وردَ جوابُ كتابهِ، حَكَم به، وقَطَعَ بقولِهِ»(٢).

٥ ـ وقال الخليل بن عبدالله الحافظ: «ناظرَ الدَّارَقُطني فرَضِيَهُ، وهو ثقةٌ واسعُ العِلْمِ، بلغت تصانيفُهُ قريباً مِن خمسمائة جزء... ثُمَّ كنت أسألُهُ فقال لي: إذا ذاكرت في بابٍ لا بُدَّ مِنَ المُطَالَعَةِ لكبر سِنّي، فرأيتُهُ في كُلِّ ما ألقي عليه بحراً...»(٣).

٦ ـ وقال مُحمَّد بن طاهر الحافظ: «سألتُ سَعداً الزَّنجاني الحافظ بمكَّة قلتُ: أربعة مِنَ الحُفَّاظِ تعاصَروا أيُّهم أحفظ؟

فقالَ: مَن؟

قلتُ: الدَّارَقُطْنيّ ببغداد، وعبد الغنيّ بمِصْرَ، وأبو عبدالله بن مَنْدَة

---

(١) تبيين كذب المفتري: (٢٢٩، ٢٣٠)، سير أعلام النبلاء: ١٧١/١٧، تذكرة الحفاظ: ١٠٤٤/٣.

(٢) تبيين كذب المفتري: ٢٣٠، سير أعلام النبلاء: ١٧١/١٧، طبقات الشافعية الكبرىٰ: ١٥٨/٤.

(٣) تذكرة الحفاظ: (١٠٤٠/٣ ـ ١٠٤١).

بأصبهان، وأبو عبدالله الحاكم بنيسابور. فسكت، فألححتُ عليه، فقال: أمّا الدّارَقُطنيّ فأعلمهم بالعِلَل، وأمّا عبد الغنيّ فأعلمهم بالأنساب، وأمّا ابن مَنْدَة فأكثرهم حديثاً، مع معرفةٍ تامّةٍ، وأمّا الحاكم فأحسنهم تصنيفاً»(١).

٧ ـ وقال السّمعاني: «كانَ مِنْ أهلِ الفَضْلِ والعِلْمِ، والمعرفةِ والحفظِ، وله في علوم الحديث وغيرها مُصَنّفات حِسَان»(٢).

٨ ـ وقال ابْنُ خَلِّكان: «إمام أهل الحديث في عصره، والمؤلّف فيه الكُتُبَ التي لم يُسْبق إلىٰ مثلها، كان عالماً عارفاً واسعَ العِلْم»(٣).

٩ ـ وقال الذّهبيُّ: «الإمامُ الحافظُ، النّاقِدُ العَلّامةُ، شيخُ المحدِّثين...»(٤).

١٠ ـ وقال أيضاً: «الحافظ الكبير إمام المحدِّثين»(٥).

١١ ـ وقال أيضاً: «وانتهت إليه رياسة الفن بخُراسان لا بل الدُّنيا.. وهو ثقةٌ حجّةٌ»(٦).

١٢ ـ وقال ابنُ كثير: «وقد كان مِن أهل الدِّينِ والأمانةِ، والصِّيانة، والضَّبطِ، والتَّجردِ والوَرَعِ...»(٧).

(١) طبقات الشافعية الكبرىٰ: (٤/١٥٩ ـ ١٦٠).
(٢) الأنساب: ٢/٣٧٠.
(٣) وفيات الأعيان: ٤/٢٨١.
(٤) سير أعلام النبلاء: ١٧/١٦٣.
(٥) سير أعلام النبلاء: ٣/١٠٣٩.
(٦) شذرات الذهب: ٣/١٧٦.
(٧) البداية والنهاية: ١١/٣٥٥.

١٣ ـ وقال السُّبكيُّ: «كان إماماً جليلاً، وحافظاً حفيلاً، اتُّفِقَ علىٰ إمامتهِ، وجَلالتهِ، وعِظَمِ قَدْرِهِ»(١).

١٤ ـ وقال ابنُ ناصر الدِّين: «وهو صدوقٌ مِنَ الأثبات»(٢).

إنَّ أقوالَ العلماءِ وثناءَهم علىٰ الحاكم رحمهُ الله تعالىٰ يطول، وليس هذا مجال سرد لكلِّ تلك الأقوال، فالإمام الحاكمُ قد نالَ الدَّرجة الرَّفيعة، والمنزلة المرموقة بين علماء الحديث، ولم يُجرَح بشيء يستحق الذِّكر، اللَّهُمّ إلّا اتِّهامهُ بالتَّشيّع، وهي تهمة لم تقم الحجّة الكافية عليها. وتصحيح واهيات كما قال ابن ناصر الدِّين الدِّمشقي، ومع هذا فقد قال فيه: «صدوق مِنَ الأثبات».

وأمّا رواية الحاكم للواهيات في «المُسْتَدْرَك» فقد اعتذر له الحافظ ابن حَجَر فقال:

(والحاكم أجلّ قدراً، وأعظم خطراً، وأكبر ذِكْراً مَن أن يُذكر في الضُّعفاءِ، لكن قيل في الاعتذار عنهُ: إنَّهُ عند تصنيفهِ «للمُسْتَدْرَك» كانَ في أواخرِ عمره، وذكَرَ بعضهم أنَّهُ حصلَ لَهُ تغيّر وغَفْلَة في آخر عمره، ويدل علىٰ ذلك أنَّهُ ذَكَر جماعة في كتاب «الضُّعفاء» لَهُ وقطعَ بتركِ الرِّوايةِ عنهم ومَنَعَ مِنَ الاحتجاج بهم، ثُمَّ أخرجَ أحاديث بعضهم في مستدركهِ وصحّحها)(٣).

مؤلّفاته:

١ ـ قال الخطيب البغداديّ: «وله في علومِ الحديثِ مُصَنَّفات عدّة»(٤).

(١) طبقات الشافعية الكبرىٰ: ٤/١٥٦.
(٢) شذرات الذهب: (٣/١٧٦ ـ ١٧٥).
(٣) اللسان: ٥/٢٣٣، فتح المغيث: ١/٣٦.
(٤) تاريخ بغداد: ٥/٤٧٣.

یہاں تک شیعی کا اعتراض تو روایت کے اعتبار سے ختم ہوگیا، اب کچھ آپ کی ثقاہت دیکھتے ہیں تاکہ تساہل کے اعتراض میں معاملہ سہل ہوجائے۔

امام حاکم کی ثقاہت محدثین نے بڑے کروفر سے بیان فرمائی۔ کافی ثقاہت تو سوالات سجزی کے مقدمہ اور اس کے حاشیہ میں مرقوم ہے۔ یہاں صرف امام اہلسنت امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ کے قول پر ہی اکتفاء کرتے ہیں۔ آپ بدمذہبوں کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''خیر کسی مسخرۂ شیطان کے منہ کیا لگیں۔ برادران باانصاف انہیں منازل کی دشواری دیکھیں جس میں ابوعبداللہ حاکم جیسے محدث جلیل القدر پر کتنے عظیم شدید مواخذے ہوئے، امام ابن حبان جیسے ناقد بصیر تساہل کی طرف نسبت کیے گئے ان دونوں سے بڑھ کر امام اجل ابوعیسیٰ ترمذی تصحیح و تحسین میں متساہل ٹھہرے۔ امام مسلم جیسے جبل رفیع نے بخاری و ابوزرعہ کے لوہے مانے۔ کما اوضحنا فی رسالتنا مدارج طبقات المحدثین۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد: ۲۷، صفحہ: ۲۰۷، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور)

امام حاکم کی ثقاہت اور گذشتہ امور کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بات نکھرتی ہے کہ امام حاکم بذاتہ متساہل نہ تھے مستدرک میں تساہل کی وجہ حادثاتی موت تھی جس کے باعث کانٹ چھانٹ نہ کر سکے۔ سو اگر ہم یہاں جرح کو ترجیح دیں تو یوں کہیں گے کہ ''روایتِ مستدرک، تلخیصِ مستدرک کی تعدیل کے ساتھ معتبر اور جرح کے ساتھ غیر معتبر ہوگی۔'' اور یہ بھی ثابت ہے کہ مقامِ بیان میں سکوت بیان ہوتا ہے۔ کما فی رسالۃ الصدیق الغماری المسماۃ حسن التفہم والدرک لمسألۃ الترک۔

لہٰذا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مولود کعبہ والی روایتِ مستدرک کو تلخیصِ مستدرک میں امام ذہبی علیہ الرحمہ کا جرح و نقد کیے بغیر نقل فرمانا جبکہ تدریب الراوی اور بستان المحدثین سے یہ معلوم ہو چکا کہ امام ذہبی علیہ الرحمہ کا انداز ہے کہ وہ ضعف و نکارت پر مبنی روایات کا تعاقب فرماتے ہیں اور یہاں پر تعاقب نہ فرمانا۔ روایت کو قبول کرنے کی دلیل ہے۔

اعلیٰ حضرت عظیم المرتبت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ فتاویٰ رضویہ میں فرماتے ہیں:

باینہمہ امام ابن الصلاح و امام طبری و امام نووی و امام زرکشی، و امام عراقی و امام عسقلانی و امام سخاوی و امام زکریا انصاری و امام سیوطی وغیرہم علیہم الرحمہ نے تصریحیں فرمائیں کہ اگر امام معتمد نے کسی حدیث کی صحت پر تنصیص کی یا کتاب ملتزم الصحۃ میں اسے روایت کیا اسی قدر اعتماد کے لیے بس ہے اور احتجاج روا۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد: ۵، صفحہ: ۶۲۷، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

سو امام ذہبی جیسی معتمد علیہ شخصیت کا اپنی تلخیص مستدرک میں اس روایت کو بیان کرنا (جبکہ آپ کی کتاب ملتزم الصحۃ تو رہی صحت و ضعف اور نکارت کو پرکھنے کے التزام پر بھی مبنی ہے) جو اس بات کی نشاندہی ہے کہ یہ روایت قابلِ اعتماد ہے۔

اور جب اس قدر ثبوت ایسی روایت کے لیے ہوجائے تو وہ فضائل و مناقب میں معتبر ہوتی ہے۔ امام ذہبی علیہ الرحمہ نے اس روایت کو اگر کسی دوسرے مقام پر ذکر نہیں فرمایا تو عدمِ ذکر ذکر کردہ کی نفی کو مستلزم نہیں اور نہ ہی یہ قانون و قاعدہ ہے کہ ایک مرتبہ کے بعد دوسری بار اس کو اسی قسم کی کتاب میں ذکر کیا جائے، بس یہ ایک تاریخی واقعہ ہے جس کے ثبوت کے لیے ایک مرتبہ مقامِ بیان میں بغیر جرح و نقد کے ذکر کرنا کافی و وافی ہے۔

اس روایت کو اگر بالفرض تواترِ اخبار پر تسلیم نہ بھی کیا جائے تو ضعیف روایت تو کم از کم درجہ ہے جو وجودِ روایت پر دلیل ہے۔

اور یہ تمہید میں گزر چکا ہے کہ ''حدیثِ ضعیف فضائل و مناقب میں معتبر ہوتی ہے۔'' اب یہاں ایک اشکال پیدا ہو سکتا ہے کہ حدیث ضعیف وہاں فضائل میں معتبر ہوتی ہے جو حدیث صحیح کے ساتھ نہ ٹکرائے؟ جبکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مولودِ کعبہ والی روایت، حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ کی صحیح روایت سے ٹکرا رہی ہے۔ لہٰذا جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مولودِ کعبہ نہ ہوئے؟ یہ ایک سطحی سا اشکال ہے اور خلط مبحث کرتے ہوئے وارد کیا جا سکتا ہے۔ اس کا حل یہ ہے کہ یہ قانون تو درست ہے لیکن اس

کا مصداق وہ یہاں درست نہیں کیونکہ حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ کی کعبہ میں پیدائش ایک علیحدہ معاملہ ہے جو عام الفیل سے تیرہ سال پہلے رونما ہوا۔ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ولادت درکعبہ ایک الگ امر ہے۔ جو بعثت سے زیادہ سے زیادہ عمر کی روایت کے مطابق سولہ سال پہلے پیدا ہونے کا ہے۔ ٹکراؤ اور مخالفت اس وقت ہوتی اگر ایک کی پیدائش کعبہ میں تسلیم کرنے سے دوسرے کی پیدائش کی نفی لازم آ رہی ہو جبکہ یہاں دو بندوں کی پیدائش درکعبہ الگ الگ معاملہ ہے اور ایک کی پیدائش تسلیم کرنے سے دوسرے کی نفی لازم نہیں آتی۔

جب دونوں کی پیدائش کی تاریخ میں کئی سالوں کا فرق ہے۔ پھر مخالفت کیسے لازم آ گئی؟ اگر مذکورہ بالا روایت کو ضعیف شمار کریں اور ضعیف رکھتے ہوئے فضائل و مناقب میں استعمال کریں تو وہ بھی جائز ہے۔ چنانچہ امام اہلِ سنت اعلیٰ حضرت عظیم المرتبت امام احمد رضا خاں صاحب بریلوی علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں:

''جیسے بعض جاہل بول اٹھتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں۔ یہ ان کی نادانی ہے۔ علمائے محدثین اپنی اصطلاح پر کلام فرماتے ہیں۔ یہ بے سمجھے خدا جانے کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں۔ عزیز و مسلم کی صحت نہیں پھر حسن کیا کم ہے حسن بھی نہ سہی یہاں ضعیف بھی مستحکم ہے۔ رسالۂ قاری و مرقاۃ و شرح ابن حجر مکی و تعقبات واللآلی امام سیوطی و قول مسدد امام عسقلانی کی پانچ عبارتیں افادۂ دوم و سوم و چہارم و دہم میں گزریں۔ عبارت تعقبات میں تصریح تھی کہ نہ صرف ضعیف محض بلکہ منکر بھی فضائل اعمال میں مقبول ہے باآنکہ اس میں ضعف راوی کے ساتھ اپنے سے اوثق کی مخالفت بھی ہوتی ہے کہ تنہا ضعف سے کہیں بدتر ہے۔ امام اجل شیخ العلماء والعرفاء سیدی ابوطالب محمد بن علی مکی قدس اللہ سرہ الملکی، کتاب جلیل القدر عظیم الفخر قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب میں فرماتے ہیں:

الاحادیث فی فضائل الاعمال و تفضیل الاصحاب متقبلة محتملة علی کل حال مقاطعیها و مراسلیها لا

تعارض ولا ترد کذلك كان السلف يفعلون۔[1]

ترجمہ: ''فضائل اعمال و تفضیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حدیثیں کیسی ہی ہوں ہر حال میں مقبول و ماخوذ ہیں مقطوع ہوں خواہ مرسل، نہ ان کی مخالفت کی جائے نہ انہیں رد کریں ائمہ سلف کا یہی طریقہ تھا۔''

امام ابوزکریا نووی اربعین پھر امام ابن حجر مکی شرح مشکوٰۃ پھر مولانا علی قاری مرقاۃ و حرز ثمین شرح حصن حصین میں فرماتے ہیں:

قد اتفق الحفاظ و لفظ الاربعين قد اتفق العلماء على جواز العمل بالحديث الضعيف فى فضائل الاعمال و لفظ الحرز لجواز العمل به فى فضائل الاعمال بالاتفاق۔

یعنی بے شک حفاظِ حدیث و علمائے دین کا اتفاق ہے کہ فضائلِ اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل جائز ہے۔ (ملخصاً)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ اسی طرح دلائل دیتے ہوئے ذرا آگے فرماتے ہیں۔

مقدمہ امام ابوعمرو ابن الصلاح و مقدمہ جرجانیہ و شرح الالفیۃ للمصنف و تقریب النواوی اور اس کی شرح تدریب الراوی میں ہے:

واللفظ لهما يجوز عند اهل الحديث وغيرهم التساهل فى الاسانيد الضعيفة و رواية ما سوى الموضوع من الضعيف والعمل به من غير بيان ضعفه فى فضائل الاعمال وغيرهما مما لا تعلق له بالعقائد والاحكام و ممن نقل عنه ذلك ابن حنبل و ابن مهدى و ابن المبارك قالوا اذا روينا فى الحلال والحرام شددنا و اذا روينا فى الفضائل ونحوها

---

(۱) قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب، فصل الحادی والعشر ون مطبوعہ دار صادر مصر ۱/ ۱۷۸

تساهلنا اھ ملخصاً۔

محدثین وغیرہم علماء کے نزدیک ضعیف سندوں میں تساھل اور بے اظہار ضعف، موضوع کے سوا ہر قسم حدیث کی روایت اور اس پر عمل فضائل اعمال وغیرہا امور میں جائز ہے، جنہیں عقائد واحکام سے تعلق نہیں۔ امام احمد بن حنبل وامام عبدالرحمن بن مہدی وامام عبداللہ بن مبارک وغیرہم ائمہ سے اس کی تصریح منقول ہے وہ فرماتے جب ہم حلال وحرام میں حدیث روایت کریں سختی کرتے ہیں اور جب فضائل میں روایت کریں، تو نرمی اھ ملخصاً۔

(فتاویٰ رضویہ جلد:۵، صفحہ:۴۷۸ تا ۴۸۱ رسالہ مبارکہ منیر العینین فی حکم تقبیل الابہامین مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور)

اس کے علاوہ آپ نے اس رسالہ میں حدیثِ ضعیف کے فضائل ومناقب میں معتبر ہونے پر کافی کلام فرمایا ہے۔ جو پڑھنے کے قابل ہے۔

اعلیٰ حضرت عظیم المرتبت علیہ الرحمہ کی گذشتہ وضاحت سے معلوم ہوگیا کہ حدیث ضعیف فضائل ومناقب میں معتبر ہوتی ہے، اور دوسرا یہ کہ علمائے محدثین باعتبار سند کے اپنی اصطلاح کے مطابق کلام فرماتے ہیں جس کو ضعیف فرمادیں وہ روایت بلاسند یا غیر معتبر نہیں ہوتی۔ اصطلاحِ محدثین کے مطابق اس پر کلام ہوتا ہے۔

اس مبارک وضاحت سے ذہنوں میں پیدا ہونے والا یہ اشکال بھی اٹھ جاتا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مولودِ کعبہ ہونے کے بارے محدثین نے ''ضعیف'' ہونے کا قول فرمایا ہے۔ چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ ''تدریب الراوی'' میں فرماتے ہیں:

قال الزبير بن بكار: كان مولد حكيم في جوف الكعبة۔

قال شيخ الاسلام: ولا يعرف ذٰلك لغيره وما وقع في ''مستدرك الحاكم من ان عليا ولد فيها۔ ضعيف۔

یعنی زبیر ابن بکار کہتے ہیں۔ حضرت حکیم ابن حزام کی پیدائش کعبہ کے اندر

ہوئی۔ شیخ الاسلام نے فرمایا کہ حکیم ابن حزام کے علاوہ کسی اور کے لیے یہ معاملہ نہیں پہچانا گیا۔ اور جو حاکم کی مستدرک میں واقع ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مولودِ کعبہ ہیں یہ ضعیف ہے۔

(تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، جلد:۲، صفحہ:۴۸۲، النوع الستون، مطبوعہ دار العاصمۃ للنشر والتوزیع الریاض)

اسی طرح روایتِ مستدرک کے بارے دیگر محدثین نے لکھا۔

(دلیل الفالحین لطرق ریاض الصالحین باب فی الصدق جلد:۱، صفحہ:۲۱۶، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت لبنان، الطبعۃ الرابعۃ ۱۴۲۵، المجالس الوعظیہ فی شرح احادیث خیر البریۃ صلی اللہ علیہ وسلم من صحیح البخاری، المجلس الرابع والثلاثون جلد:۲، صفحہ:۱۶۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت، الطبعۃ الاولی، الوسیط فی علوم ومصطلح الحدیث، الفرع الثانی صفحہ:۶۶۰، مطبوعہ دار الفکر العربی)

اسی طرح الدین و تاریخ الحرمین الشریفین میں تاریخ مكة المشرفة والمسجد الحرام والمدينة الشريفة والقبر الشريف میں اور تهذيب الاسماء واللغات للنووی میں اور دیگر محدثین نے اس بات کو بیان فرمایا۔

اس وضاحت کے بعد یہ بات سمجھ آتی ہے کہ ان محدثین کو یہ روایت سنداً ضعیف ملی ہے۔ یعنی اس پر جرح تیسرے مرتبہ کی ہے۔ جس میں روایت قابل اعتبار ہوتی ہے نہ کہ متروک۔

(تدریب الراوی، جلد:۱، صفحہ:۵۸۰، النوع الثالث والعشرون مطبوعہ دار العاصمۃ للنشر والتوزیع، الریاض)

اور یہ عین ممکن ہے کہ امام حاکم کو یہ روایت بطریق شہرت ملی ہو۔ جس کو امام الناقدین حافظ شمس الدین ذہبی علیہ الرحمہ جانتے ہوں جس بنا پر انہوں نے اسے تلخیص میں نقل فرمادیا۔ اور جن علماء کو یہ روایت ضعیف ہو کر ملی انہوں نے لا يعرف ذلك لغيره، ولم يتفق ذلك لغيره اور ولم يولد فيها احد غيرها ایسے الفاظ ارشاد فرمائے کہ کسی اور کے لیے ایسی سند مشہور کے ساتھ نہیں پہچانا گیا۔ اور ایسا ہونا ممکن امر ہے محال نہیں اس کی مثال مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث مبارک سے ملاحظہ فرمائیے۔

و عنه ان النبی ﷺ کان یعلّمهم من الحمّی و من الاوجاع کلها ان یقولوا "بسم الله الکبیر، أعوذ بالله العظیم من شر کل عرق نعّار، و من شرحر النّار، رواه الترمذی و قال هذا حدیث غریب لا یعرف الا من حدیث ابراهیم بن اسماعیل وهو یضعف فی الحدیث۔

یعنی حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ "نبی کریم ﷺ آپ بخار اور تمام دردوں سے نجات کے لیے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو دعا سکھایا کرتے تھے کہ مریض یا عیادت کرنے والا یہ دعا پڑھے:

بِسْمِ اللّٰهِ الْكَبِيْرِ، اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ مِنْ شَرِّ كُلِّ عِرْقٍ نَعَّارٍ وَ مِنْ شَرِّ حَرِّ النَّارِ۔

اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور کہا: یہ حدیث غریب ہے جسے ابراہیم بن اسماعیل کی حدیث سے پہچانا گیا ہے اور یہ شخص حدیث میں ضعیف قرار دیا گیا ہے۔

اس حدیث کے آخری کلمات پر ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری "مرقاۃ" میں کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "امام قرطبی علیہ الرحمہ نے فرمایا: ابراہیم بن اسماعیل متروک ہے۔ (یعنی چوتھے مرتبہ کا جس کی حدیث نا قابلِ اعتبار ہوتی ہے) اور امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے فرمایا: اس حدیث کو ابن ابی شیبہ، ترمذی، ابن ماجہ، ابن ابی دنیا، ابن السنی نے عمل الیوم واللیلۃ میں اور امام حاکم نے اس روایت کو ذکر کر کے تصحیح فرمائی اور امام بیہقی نے الدعوات میں اس حدیث کو بیان کیا، اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس کی تصحیح پر اطلاع نہ ہونے کی وجہ سے کہہ دیا کہ عیادت کرنے والے کے لیے اس دعا کا ذکر کرنا مسنون و مستحب ہے کیونکہ حدیث ضعیف ایسے اعمال میں بالاتفاق حجت ہے۔"

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، جلد:۴، صفحہ:۲۸، رقم الحدیث[۱۵۵۴] مطبوعہ المکتبۃ الحقانیۃ محلہ جنگی پشاور)

اس عبارت کی تشریح کرتے ہوئے حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں "چنانچہ امام قرطبی نے فرمایا کہ وہ متروک الحدیث ہیں مگر حاکم و بیہقی نے یہ حدیث بروایت صحیح نقل کی۔ بہرحال ترمذی کو ضعیف ہو کر ملی مگر ان محدثین کو صحیح ملی۔ اگر ضعیف بھی ہوئی تو فضائل اعمال میں قبول تھی۔"

(مراۃ المناجیح شرح مشکوۃ المصابیح، جلد:۲، صفحہ:۳۸۵، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، اردو بازار، لاہور)

اسی طرح کا معاملہ یہاں بھی سمجھ لیا جائے ورنہ اتنے نقاد محدثین کا اسے بغیر جرح وقدح کے نقل کرتے جانا سوائے قبول کرنے کے اور سمجھ نہیں آتا۔ سو جسے یہ روایت بطریق شہرت ملی اگرچہ واقعہ کے اعتبار سے ہی کیوں نہ ہو کیونکہ یہ گزر چکا کہ "واقعات کے لیے فقط شہرت کافی ہوتی ہے۔"

سو جس نے اس روایت کو درست سمجھا تو اس نے اسے قابلِ اعتناء شمار کرتے ہوئے نقل کر لیا۔ اور جس نے اس روایت کو سنداً ضعیف پایا اس نے ضعیف ہونے کا حکم لگایا۔ اور یہ بھی خیال رہے کہ محدثین کی اصطلاح میں مطلقاً ضعیف سے مراد موضوع کے علاوہ ایسی روایت ہوتی ہے جسے فضائل و مناقب اور اعمال میں حجت مانا اور سمجھا جاتا ہے۔ جیسا کہ مثال ابھی ابھی گزری۔

ایسی روایت مراد ہرگز نہیں ہوتی جو اقوال صحیحہ، معتمدہ اور شواہد کے خلاف ہو کیونکہ ضعیف کی تعریف میں کسی معتمد علیہ محدث نے ایسا معنیٰ بیان نہیں فرمایا۔ اصولِ حدیث کی بیسیوں کتب میں یہ معنی ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ لہٰذا **لا یعرف ذٰلك لغیرہ** ایسے الفاظ کا معنیٰ واضح ہو گیا کہ حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور کے لیے ایسی سند مشہور کو پہچانا نہیں گیا۔ یا ایسی سند مشہور کے ساتھ کسی اور کے لیے ولادت ثابت نہیں یا ایسی سند مشہور کے ساتھ کسی اور کے لیے یہ اتفاق نہیں ہوا اسی بات کی طرف ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے اشارہ فرمایا:

(و حکیم ابن حزام) بکسر الحاء و بالزای ولد فی الکعبة قبل سنة عام الفیل بثلاث عشر ولا یعرف

احد ولد فی الكعبة غیره علی الاشهر و فی مستدرك الحاكم ان علی ابن أبی طالب كرم الله وجهه ولد ایضا فی داخل الكعبة۔

ترجمہ: ''یعنی حکیم ابن حزام کعبہ میں عام الفیل سے تیرہ سال پہلے پیدا ہوئے آپ کے علاوہ کسی اور کا مولودِ کعبہ ہونا روایت مشہورہ کے مطابق نہیں پہچانا گیا اور مستدرک حاکم میں ہے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی کعبہ میں پیدا ہوئے۔''

(شرح الشفاء، جلد:۱، صفحہ:۳۲۸ علی حاشیہ نسیم الریاض، مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ)

چونکہ یہ الفاظ محدثین نے ارشاد فرمائے ہیں اس واسطے ان الفاظ کے ساتھ ہمیں سنداً روایت کا حکم ضعیف کی صورت میں ملتا ہے۔ سو جس نے ایسے الفاظ ارشاد فرمائے اور حکم ضعف ان سے نہ مل سکا تو باعتبارِ سند اور دعویٰ کے شخصیت کے مطابق پرکھا جائے گا۔

نتیجۂ مبحث:

یہاں تک ہمارے سامنے دو قسم کی آراء آتی ہیں۔

۱۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مولودِ کعبہ کی روایت امام احاکم و امام ذہبی کی رائے کے مطابق ''تواتر اخبار'' کے دعویٰ کے مطابق صحیح و درست ہے۔

۲۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مولودِ کعبہ کی روایت ضعیف ہے۔

پہلی رائے کے مطابق حکم تو بالکل واضح ہے۔ جبکہ دوسری رائے کے مطابق ہماری گذشتہ تحریر میں اس بارے کافی وضاحت آگئی کہ ضعیف روایت فضائل و مناقب میں معتبر ہوتی ہے۔ اور اس بارے جو اشکالات ممکنہ تھے ان کا حل بھی بیان کر دیا گیا۔ جس سے ضعیف روایت کا فضائل و مناقب میں حجت ہونا سمجھ لیا گیا۔ اب اس سے اگلی بات سمجھیں کہ روایت جب ضعیف ہو تو ''تلقی بالقبول'' سے درجۂ حسن تک پہنچ جاتی ہے۔

چنانچہ اعلیٰ حضرت عظیم المرتبت امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ ''فتاویٰ رضویہ'' میں اس بارے تحقیق کرتے ہوئے علمائے اعلام کے اقوال پیش کرتے ہیں۔

''افادۂ پانزدہم (اہلِ علم کے عمل کرنے سے بھی حدیث ضعیف قوی ہو جاتی ہے) اہلِ علم کے عمل کر لینے سے بھی حدیث قوت پاتی ہے۔ اگرچہ سند ضعیف ہو۔ مرقاۃ میں ہے:

رواه الترمذی و قال هذا حدیث غریب والعمل علی هذا عند اهل العلم قال النووی و اسناده ضعیف نقله میرك، فكان الترمذی یرید تقویة الحدیث بعمل اهل العلم والعلم عند الله تعالٰی كما قال الشیخ محی الدین ابن العربی انه بلغنی عن النبی ﷺ انه من قال لا الٰه الا الله سبعین الفا، غفر الله تعالٰی لهٗ، و من قیل لهٗ غفر له ایضاً فكنت ذكرت التهلیلة بالعدد المروی من غیر ان انویٰ لاحد بالخصوص، فحضرت طعاما مع بعض الاصحاب و فیهم شاب مشهور بالكشف فاذا هو فی الثناء الاكل اظهر البكاء، فسالته عن السبب فقال أری امی فی العذاب فوهبت فی باطنی ثواب التهلیلة المذكورة لها فضحك و قال انی اراها الأن فی حسن المأب فقال الشیخ فعرفت صحة الحدیث بصحة كشفه و صحة كشفه بصحة الحدیث۔ ''باب ما علی الماسوم من المتابعة اول الفصل الثانی'' ۱۲ منه

یعنی امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب اور اہلِ علم کا اس پر عمل ہے۔ سید میرک نے امام نووی سے نقل کیا کہ اس کی سند ضعیف ہے تو گویا امام ترمذی عملِ اہلِ علم سے حدیث کو قوت دینا چاہتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اس کی نظیر وہ ہے کہ سیدی

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث پہنچی ہے کہ جو شخص ستر ہزار بار لا الٰہ الا اللہ کہے اس کی مغفرت ہو اور جس کے لیے پڑھا جائے اس کی مغفرت ہو میں نے لا الٰہ الا اللہ اتنی بار پڑھا تھا اسمیں کسی کے لیے خاص نیت نہ کی تھی پھر اپنے بعض رفیقوں کے ساتھ ایک دعوت میں گیا ان میں ایک جوان کے کشف کا شہرہ تھا کھانا کھاتے رونے لگا میں نے سبب پوچھا کہا اپنی ماں کو عذاب میں دیکھتا ہوں میں نے اپنے دل میں کلمہ کا ثواب اس کی ماں کو بخش دیا۔ فوراً وہ جوان ہنسنے لگا اور کہا اب میں اسے اچھی جگہ دیکھتا ہوں، امام محی الدین قدس سرہٗ فرماتے ہیں تو میں نے حدیث کی صحت اس جوان کے کشف کی صحت سے پہچانی اور اس کے کشف کی صحت حدیث کی صحت سے جانی۔

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح جلد:۳، صفحہ:۲۰۰، مطبوعہ المکتبۃ الحقانیہ پشاور)

امام سیوطی تعقبات میں امام بیہقی سے ناقل:

قد اولها الصالحون بعضهم عن بعضٍ و فی ذٰلك تقوية للحديث المرفوع۔

ترجمہ: ”اسے صالحین نے ایک دوسرے سے اخذ کیا اور ان کے اخذ میں حدیث مرفوع کی تقویت ہے۔“

(باب الصلاۃ، حدیث صلاۃ التسبیح، ۱۲ منہ، التعقبات علی الموضوعات، باب الصلوٰۃ، صفحہ:۱۳، مطبوعہ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل)

اسی میں فرمایا:

باب الصلاة، حديث من جمع بين الصلاتين من غير عذر فقد اتى بابا من ابواب الكبائر اخرجه الترمذى و قال حسين ضعفهٗ احمد وغيره والعمل على هذا الحديث عند اهل العلم فاشار بذلك الى ان الحديث اعتضد بقول اهل العلم و قد صرح غير واحد بان من

دليل صحة الحديث قول اهل العلم به و ان لم يكن لهٗ اسناد و يعتمد على مثله۔

ترجمہ: ”باب الصلوٰۃ کی اس حدیث کے تحت ذکر ہے جس میں ہے کہ جس نے دو نمازیں بغیر عذر کے جمع کیں اس نے کبائر میں سے ایک کبیرہ کا ارتکاب کیا، اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور حسین نے کہا احمد وغیرہ نے اسے ضعیف قرر دیا ہے اور اہلِ علم کا اس حدیث پر عمل ہے اس سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس حدیث نے اہلِ علم کے قول کے ذریعے قوت حاصل کی ہے اور اس کی تصریح متعدد محدثین نے کی ہے۔“

اور معتمد علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ اہلِ علم کی موافقت صحتِ حدیث کی دلیل ہوتی ہے اگرچہ اس کے لیے کوئی سند قابلِ اعتماد نہ ہو۔

(التعقبات علی الموضوعات، باب الصلوٰۃ، صفحہ:۱۲، مطبوعہ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل)

یہ ارشادِ علماء، احادیثِ احکام کے بارے میں ہے پھر احادیثِ فضائل تو احادیثِ فضائل ہیں۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد:۵، صفحہ:۴۷۵ تا ۴۷۷، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ، رضویہ لاہور)

ایسا ہی علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ نے مقدمہ صحیح البہاری میں فرمایا۔

(مقدمہ صحیح البہاری، الفائدۃ السادسۃ، صفحہ:۲۸، مطبوعہ دار اہل السنۃ للطباعۃ والنشر والتوزیع)

اسی مفہوم کے قریب قریب شمس الائمۃ ابوبکر محمد بن احمد سرخسی علیہ الرحمہ نے اصول السرخسی میں فرمایا:

و باعتبار انه لم تشتهر روايته فى السلف بتمكن تهمة الوهم فيه فيجوز العمل به اذا وافق القياس على وجه حسن الظن به و لكن لا يجب العمل به، لان الوجوب شرعاً لا يثبت بمثل هذا الطريق

الضعيف (الٰی ان قال) فصار الحاصل ان الحكم فی رواية المشهور الذی لم يعرف بالفقه وجوب العمل و حمل روايته علی الصدق الا ان يمنع منه مانع وهو أن يكون مخالفًا للقياس و أن الحكم فی رواية المجهول أنه لا يكون حجة للعمل الا أن يتأيّد بمؤيد وهو قول السلف أو بعضهم روايته، والله اعلم۔

ترجمہ: ''یعنی اس اعتبار سے کہ اس کی روایت سلف صالحین میں مشہور نہیں تہمتِ وہم کے پائے جانے کی وجہ سے تو اس روایت پر عمل راوی پر حسنِ ظن رکھتے ہوئے اس وقت جائز ہے جب وہ قیاس کے موافق ہو، لیکن اس پر عمل کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ وجوبِ شرعی اس ضعیف طریقے سے ثابت نہیں ہوتا، پھر ذرا آگے فرماتے ہیں: تو حاصلِ کلام یہ ہوا کہ ایسی روایتِ مشہور میں حکم جس کو فقہ کے ذریعے پہچانا گیا عمل کا واجب ہونا ہے اور اس روایت کو صدق پر محمول کیا جائے گا۔ مگر یہ ہے کہ کوئی مانع اسے روک دے اور وہ مانع روایت کا خلاف قیاس ہونا ہے اور مجہول کی روایت کے بارے حکم یہ ہے کہ وہ عمل کے لیے نہیں ہوتا مگر کوئی مؤید اس کی تائید کردے اور وہ مؤید سلف صالحین کا روایت کو قبول کرنا ہے یا بعض دیگر روایات کے ساتھ اس کی تائید ہو جائے۔'' واللہ اعلم

(اصول السرخسی، الجزء الاول، صفحہ:۳۵۶، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

یہاں تک اجلۂ فقہاء و محدثین کی وضاحت آگئی کہ ''ضعیف روایت اور ایسی ضعیف روایت جس کی کوئی معتمد سند نہ ہو وہ بھی علماء کرام اور سلف صالحین کے قبول کرنے سے مقبول و معتمد ہو جاتی ہے اور ضعیف روایت جب موافقِ قیاس ہو تب

بھی عمل میں بہتر اور فضائل میں بطریق اولیٰ قابلِ اعتماد ہیں۔

اسی بات کی نشاندہی کرتے ہوئے فاضل بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''بالجملہ وہ تلقیِ امت بالقبول کا منصبِ جلیل پائے ہوئے ہے تو بلاشبہہ حدیث حسن صالح مقبول معتمد ہے تلقیِ علماء بالقبول وہ شی عظیم ہے جس کے بعد ملاحظۂ سند کی حاجت نہیں رہتی بلکہ سند ضعیف بھی ہو تو حرج نہیں کرتی۔''

(فتاویٰ رضویہ، جلد:۳۰، صفحہ:۶۵۹، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور)

اب ہم دیکھتے ہیں کہ روایتِ مستدرک کو علماء و محدثین نے اپنی کتب میں مفہومِ روایت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے۔ بلا جرح و نقد بیان فرمایا۔ چنانچہ حافظ شمس الدین ذہبی علیہ الرحمہ اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ الباری کی وضاحت تو آ چکی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ ''مدارج النبوت'' میں رقمطراز ہیں:

وگفتہ اند کہ بود ولادت وی در جوف کعبہ

ترجمہ: ''اور مؤرخین نے کہا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی پیدائش کعبہ کے اندر ہوئی۔''

(مدارج النبوۃ، جلد:۲، صفحہ:۵۳۱، مطبوعہ النوریہ الرضویہ پبلشنگ کمپنی، لاہور)

شیخ محقق علیہ الرحمہ نے اس بات کو بیان فرما کر کسی قسم کی جرح نہیں فرمائی، جو کہ علامت قبول ہے کیونکہ مقام بیان میں سکوت بیان ہوتا ہے۔

فارسی دان علماء کرام اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ ''گفتہ اند'' ماضی قریب معروف کا صیغہ ہے جس کا عربی میں ترجمہ ''قد قالوا'' آتا ہے۔ اس صیغہ سے ضعف کا اشارہ نہیں ملتا۔ ہاں اگر ''گفتہ شدہ اند'' ہوتا جس کا عربی میں ترجمہ ''قد قیلوا'' آتا ہے تو ضعف کی طرف اشارہ ملتا، بلکہ ماضی قریب معروف سے آنے والی روایات میں تو ثقاہت کا اشارہ مل رہا ہے اور جو احباب شیخ محقق علیہ الرحمہ کے انداز سے واقفیت رکھتے ہیں وہ بہ خوبی سمجھتے ہیں کہ آپ ''اشعۃ اللمعات'' کے مقامات میں ''گفتہ اند'' کا

صیغہ کسی ضعیف قول کے لیے استعمال نہیں فرماتے۔

اسی طرح شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ ''ازالۃ الخفاء'' میں رقمطراز ہیں:

از مناقب وے رضی اللہ تعالیٰ کہ در حین ولادت او را ظاہر شد، یکی آں ست کہ در جوف کعبہ معظمہ تولد یافت......

قال الحاکم قد تواترت الاخبار ان فاطمة بنت اسد ولدت امیر المومنین علیاً فی جوف الکعبة۔

''جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں سے ایک یہ ہے کہ جو آپ کی ولادت کے وقت ظاہر ہوا کہ آپ کی پیدائش کعبہ کے اندر ہوئی۔''

امام حاکم نے فرمایا کہ ''تواتر اخبار اس بات پر ہیں کہ فاطمہ بنت اسد نے امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو کعبہ میں جنم دیا۔''

(ازالۃ الخفاء، جلد:۴، صفحہ:۴۰۶، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

اسی طرح امام محمد بن اسماعیل الکحلانی ''صاحب سبل السلام'' نے بھی الروضۃ الندیہ میں لکھا۔ (الروضۃ الندیہ صفحہ:۵، مطبع انصاری دہلی)

اسی طرح العبقریۃ الاسلامیہ میں استاد عباس محمود عقاد نے لکھا۔

(العبقریۃ الاسلامیہ صفحہ:۸۶۳، مطبوعہ دار الفتوح القاہرہ)

اس کے علاوہ کئی ایک مؤرخین و محدثین نے ایسا ہی لکھا۔ جو تلقی بالقبول کی واضح دلیل ہے۔

چونکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا مولودِ کعبہ ہونا عقل و قیاس کے موافق ہے اس واسطے اصولِ سرخسی کی وضاحت کے مطابق بھی یہ روایت قابلِ اعتناء ہے۔ یہاں ایک اور اشکال پیدا ہو سکتا ہے۔ اس کا حل سمجھ لیا جائے۔ اس مقام پر یہ اشکال وارد کیا جا سکتا ہے کہ ''حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جائے ولادت شعب بنی ہاشم میں ہے۔'' یا ''آپ کی ولادت گاہ ابو طالب کا گھر ہے۔'' یا ''آپ کی ولادت گاہ نبی اکرم ﷺ کی

ولادت گاہ کے قریب ہے۔'' اس طرح کی مختلف روایات سامنے آتی ہیں جس سے معلوم ہوا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی جائے ولادت کعبہ نہیں ہے؟

اس اشکال کے حل سے قبل یہ بات ذہن نشین کر لیجیے کہ روایات میں اختلاف، زمان یا مکان کے اعتبار سے ہو تو پہلے تطبیق دی جاتی ہے جب تطبیق نہ بن پائے تو پھر قوت ترجیح کے قانون پر عمل کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ تمہیدی گفتگو کی شق نمبر ۴ میں بیان ہوا۔

زمان کے اعتبار سے اختلاف روایات میں تطبیق کی مثال

اختلافِ زمان میں تطبیق کی مشہور مثال وہ روایت ہے جس میں آیا کہ پہلے اسلام کون لایا؟ ایک روایت میں آیا سب سے پہلے اسلام حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا لائیں۔

ایک روایت میں آیا سب سے پہلے اسلام حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ لائے۔

ایک روایت میں آیا سب سے پہلے اسلام حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ لائے۔

ایک روایت میں ہے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ ایمان سب سے لائے۔

ایک روایت میں آیا حضرت زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ سب سے پہلے ایمان لائے۔

ان سب میں تطبیق دیتے ہوئے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

عورتوں میں سب سے پہلے اسلام حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا لائیں۔

بچوں میں سب سے پہلے اسلام حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ لائے۔ آزاد مردوں میں سب سے پہلے اسلام حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ لائے۔ آزاد کردہ غلاموں میں سب سے پہلے اسلام حضرت زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ لائے۔ اور غلاموں میں سب سے پہلے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔

(تاریخ الخلفاء، صفحہ:۲۶، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ مقابل آرام باغ کراچی، الزرقانی علی المواہب اللدنیہ، جلد:۱، صفحہ:۴۵۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان)

مکان کے اعتبار سے اختلاف روایات میں تطبیق کی مثال:

مکان کے اعتبار سے اختلافِ روایات میں تطبیق کی مثال ہم اسی سرزمین کی

دیتے ہیں جس میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

ہمارے آقا کریم ﷺ کو معراج، اپنے گھر سے ہوا، یا اُم ہانی کے گھر سے ہوا یا حطیمِ کعبہ سے ہوا، تین قسم کی روایات سامنے آتی ہیں۔ بعضوں نے کہا ان روایات کے پیشِ نظر ایک تاویل یہ ہے کہ آپ علیہ السلام کو دو معراج ہوئے ایک بیداری میں اور دوسرا نیند میں اور ام ہانی کا گھر اور آپ کا گھر گویا ایک ہی بات ہے۔

و قال بعض المحققين: الجمع بين الاقوال الواردة في هذه المواضع انه ﷺ نام عند بيت أُم هانى و بيتها عند شعب ابى طالب ففرج سقف بيتها و اضاف البيت الى نفسه لكونه يسكنه فنزل فيه الملك فاخرجه من البيت الى المسجد و كان مضطجعًا و به اثر النعاس ثم اخرجه من الحطيم الى باب المسجد فاركبه البراق۔

یعنی بعض محققین نے کہا ''ان جگہوں کے بارے جو اقوال وارد ہوئے ان کے درمیان موافقت یوں ہوگی کہ آپ ﷺ اُم ھانی کے گھر کے پاس سوئے اور ام ھانی کا گھر شعب ابی طالب کے پاس ہے۔ پھر ام ہانی کے گھر کی چھت کو کھولا گیا۔ اور ام ھانی کے گھر کی نسبت اپنی طرف اس لیے کی کہ آپ اسی میں رہائش پذیر ہیں پھر اس گھر میں فرشتہ اترا آپ علیہ السلام کو گھر سے مسجد کی طرف لے گیا۔ آپ ﷺ چونکہ پہلو کے بل آرام فرما رہے تھے جس کی وجہ سے آپ پر اونگھ کا کچھ اثر تھا۔ پھر آپ علیہ السلام کو فرشتہ حطیم سے مسجد کے دروازہ پر لے آیا اور آپ کو براق پر سوار کیا۔ (مرقاۃ شرح المشکوٰۃ جلد: ۱۰، صفحہ: ۵۶۴، مطبوعہ المکتبۃ الحقانیہ محلہ جنگی پشاور)

اس وضاحت کے بعد یہ بات واضح ہوگئی کہ اختلافِ روایات، کسی روایت کے ضعف یا موضوع ہونے کی دلیل نہیں ہوتی بلکہ مختلف روایات میں مختلف صورتِ حال کی نشاندہی ہوتی ہے۔

اسی طرح یہاں بھی کسی روایت کے اندر شعب بنی ہاشم میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ولادت کا ذکر ہے۔

(تاریخ دمشق الکبیر، جلد: ۴۵، صفحہ: ۴۴۸، ۵۰۲۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، جلد: ۴۲، صفحہ: ۵۷۵، دار الفکر بیروت)

اسی طرح ایک روایت میں جناب ابو طالب کے گھر میں پیدائش ہونے کا ذکر ہے۔

(رحلۃ ابن جبیر، اعتبار الناسک فی ذکر الآثار الکریمۃ والمناسک مسجد مولد النبی، صفحہ: ۱۲۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

پہلی اور دوسری روایت میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا شعب بنی ہاشم میں جناب ابو طالب کے گھر پیدا ہونے کا ذکر ہے اور ان کے علاوہ تیسری روایت میں کعبہ کے اندر پیدائش ہونے کا ذکر ہے۔ اب ان میں تطبیق یوں ممکن ہے شعب بنی ہاشم خانہ کعبہ کے ساتھ ہی ہے۔ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی کعبہ کے اندر پیدائش ہوئی تو آپ کے لیے اور آپ کی والدہ محترمہ کے لیے گھر سے ایسا ساز وسامان جس کے ذریعے آپ کو فوراً گھر لے جایا جا سکے۔ لانے میں کوئی دیر نہ لگی جس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ آپ کا گھر حرم کے قریب تھا اور دوسری وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ خانہ کعبہ کے نظام کی ذمہ داری اور دیکھ بھال چونکہ اس وقت اسی خاندان کو میسر تھی جس کے باعث بہت جلد واپس گھر لے جانے کا بندوبست ایک معقولی امر تھا کہ اس طرح کے واقعات ان کے سامنے رونما ہوتے رہتے تھے اور وہ اس کی ذمہ داری کو نبھانا خوب سمجھتے تھے اور ویسے بھی وہ دن ۱۳ رجب المرجب کا تھا، جو ان لوگوں کے نزدیک بڑا عظمت کے لائق دن تھا۔ اور اس میں کثیر تعداد میں مرد وزن شرکت کو باعثِ برکت سمجھتے تھے اور ایسے دنوں کے انتظامات کو منتظمین افراد بہ خوبی سمجھتے ہیں۔ جیسا آج کل بزرگوں کے عرسوں کے مواقع پر کثیر تعداد میں سالکین کے لیے منتظمین حصولِ برکت کی خاطر سر توڑ درستگیِ انتظام کی کوشش میں رہتے ہیں۔ اور خانہ کعبہ تو اللہ تعالیٰ کا ایسا گھر ہے جس کی

حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمۂ کرم پر رکھی ہے تو اس کے منتظمین من حیث الانتظام مشاءِ خداوندی کے خلاف نہیں ہوسکتے۔

جب سردار خاندان سے تعلق رکھنے والی ہستی کعبہ میں پیدا ہوئی تو آپ کو فوراً گھر بڑے پوشیدہ طریقے سے لے جایا گیا جیسا اس خاندان کی عظمت وشرافت تھی۔ تو آپ کی جائے ولادت اس اعتبار سے شعب بنی ہاشم مشہور ٹھہری۔ یعنی ایک جائے ولادت حقیقی ہے اور وہ کعبہ ہے اور دوسری عرفی ہے جسے جناب ابوطالب کے گھر پیدا ہونے یا شعب بنی ہاشم میں پیدا ہونے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ البتہ سب کو حقیقی مولد سمجھنا امرِ محال کا استلزام ہے۔ جیسے پیدائش کسی کی ہسپتال میں ہو لیکن جنم پرچی وغیرہ پر اس کے خاندان کے گھر کا پتا لکھا جاتا ہے۔

اس تطبیق سے تینوں روایات اپنے اپنے مقام کے مطابق درست ٹھہریں اب اس تطبیق کا ماخذ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ تحفہ اثنا عشریہ میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

> ”روایتِ مشہور اس طرح پر ہے کہ اہلِ جاہلیت کا معمول تھا کہ پندرھویں رجب کو کعبہ کا دروازہ کھولتے تھے اور زیارت کے لیے کعبہ کے اندر جاتے تھے اسی تاریخ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ اس لیے اس دن کو ”یوم الاستفتاح“ اور روزۂ مریم کہتے ہیں۔ مشائخ نے اس دن کے اوراد واذکار مقرر کیے ہیں اور یہ بھی اس وقت معمول ہوتا تھا کہ اس سے ایک دو دن پہلے عورتیں خانہ کعبہ کے اندر زیارت کو جاتی تھیں۔ اتفاقاً جس دن عورتوں کی زیارت کی باری تھی فاطمہ بنتِ اسد نے بھی مدتِ حمل تمام ہو جانے کے باوجود زیارت کا ارادہ کیا کہ یہ دن سال بھر میں ایک دفعہ آتا ہے۔ دشواری کے عالم میں جیسے تیسے اپنے آپ کو درِ کعبہ تک پہنچایا۔ کعبہ کا دروازہ اس زمانے میں قدِ

> آدم اونچا تھا۔ جیسا کہ اب بھی ہے لیکن اس وقت، زینہ سیڑھیاں نہ تھیں عورتوں کو ان کے مرد بہ حرکتِ عنیف اور سختی سے چڑھاتے تھے اب اس کا زینہ بچوں کی گاڑی کی طرح بنایا گیا ہے۔ ضرورت کے وقت کھینچ کر کعبہ کے دروازے کے ساتھ متصل رکھ دیتے ہیں۔ پھر اسی حرکتِ عنیف میں ان کو دردِ زہ اٹھا یہ خیال کرتے ہوئے آپ نے پرواہ نہ کی کہ ایک لمحہ بعد تسکین ہو جائے گی زیارت سے محروم کیوں رہوں؟ جس وقت کعبہ کے دروازہ پر آئیں پے در پے دردِ زہ ہونے لگا اور حضرت امیر ﷜ کی ولادت باسعادت ہوگئی۔“

(تحفہ اثنا عشریہ، کید ہشتاد وہفتم ۸۷ صفحہ ۷۹، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

اس روایت کے ماقبل و مابعد شیعہ کی روایات مذکور ہیں، اس روایت سے ماقبل روایت کے بارے شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے فرمایا: ”واہی محض ومخالف تواریخ ست“ اور بعد والی تیسری روایت کو الزاماً جواب کے ذریعے رد کر دیا اور حضرت حکیم ابن حزام ﷜ کی ولادت کو بھی ثابت مانا۔ اصل عبارت یوں ہے:

دوازدہم آنکہ آنچہ در قصۂ ولادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام ذکر کردہ واہی محض ومخالف تواریخ ست زیرا کہ در تولد حضرت عیسیٰ اختلاف بسیار ست مشہور آنست کہ تولد ایشان در بیت اللحم است وبعضے گویند بفلسطین وبعضے گویند بمصر وبعضی گویند بدمشق وکسے از مورخین این نگفتہ کہ حضرت مریم را دردزہ در مسجد بیت المقدس لاحق شدہ بود واگر بفرض اینہم بودہ باشد پس این از کجا کہ ایشان را بوحی از مسجد بیرون کردند بلکہ نص قرآنی دلالت صریح مے کند کہ ایشان را اضطرار درد بر آن آورد کہ بر چیزی تکیہ نمایند وبسبب آنکہ علوق حضرت عیسیٰ علیہ السلام بے پدر شدہ بود از اظہار این امر در مردم عار داشتند ناچار بصحرا ازدند وویرانہ جستند وتنہ درخت را تکیہ گاہ ساختند وچون در بیحالت بصحرا رفتن وبی استعانت بکسی وضع حمل نمودن خیلی دشوار آمد بی اختیار آرزوے

موت نموودند قولہ تعالیٰ: فا جاء ھا المخاض الی جذع النخلة قالت یا لیتنی مت قبل ھذا و کنت نسیًا منسیا۔ ترجمہ یعنی رسانید مریم را دردزہ بسوئے تنۂ خرما گفت کاش من می مردم پیش ازین و می شدم فراموش از یاد رفتہ و آنچہ گفتہ است کہ فاطمہؓ بنت اسدؓ را وحی آمد کہ در خانۂ کعبہ برو و وضع حمل نماید دروغی است پر بے مزہ زیرا کہ کسے از فرق اسلامیہ وغیر اسلامیہ قائل بہ نبوت فاطمہؓ بنت اسد نشدہ حجاج چہ قسم این را مسلم ے داشت و در روایت مشہور چنین ست کہ معمول اہلِ جاہلیت بود کہ روز پانزدہم رجب در کعبہ را می کشادند و برائے زیارت درون آن خانۂ مبارک در می آمدند و تولد حضرت عیسیٰ نیز در ہمان تاریخ واقع شدہ ولہذا آن روز را یوم الاستفتاح گویند دردزۂ مریم نیز خوانند و مشائخ برائے آن روز اوراد و اذکار مقرر کردہ اند و معمول بود کہ قبل ازان بیک دو روز زنان زیارت میکردند اتفاقاً روز زیارت زنان فاطمہؓ بنت اسد نیز باوجود آنکہ مدت حمل تمام کردہ بود برائے زیارت قصد نمود و چون این روز در تمام سال یکبار اتفاق ے افتاد باوصف دشوارے حرکت خود را بکمال رنج و مشقت تا در کعبہ رسانید و دروازۂ کعبہ در آنزمان از زمین بمقدار یک قد آدم بلند بود چنانچہ حالا ہم ہمین قسم است لکن در آنزمان زینہ پایۂ نداشت و زنان را مردان آنہا بحرکت عنیف برے آوردند و حالا زینہ پایۂ از چوب بصورت کرد انک اطفال درست کردہ گذاشتہ اند و در وقت حاجت آنرا کشیدہ متصل در کعبہ می نہند درین حرکت عنیف اورا دردزہ پیدا شدہ پنداشت کہ بعد ساعتی این درد تسکین خواہد پذیرفت از زیارت چرا محروم شود ہمین کہ در کعبۂ درآمد طلق بر طلق و درد پے درد آمدن گرفت و تولد حضرت امیر واقع شد و در روایات شیعہ بطور دیگر دیدہ شد کہ ابوطالب بجہت شدت درد و امتداد زمان عدم تولد مایوس شدہ برائے استشفا درون کعبہ داخل کرد اللہ تعالیٰ فضل خود فرمود کہ زود تولد شد در کتب شیعہ این روایت را از حضرت امام زین العابدینؓ آوردہ اند کہ فرمود (اخبرتنی زبدة بنت عجلان الساعدية عن ام عمارة بنت عباد الساعدية انها قالت كنت ذات يوم فى نساء من العرب اذا قبل ابو طالب كثيبا فقلت

له ما شانك قال ان فاطمه بنت اسد فى شدة من الطلق و انها لا تضع ثم انه اخذ بيدها و جاء بها الىٰ الكعبة فدخل بها و قال اجلسى على اسم الله فجلست و طلقت طلقة فولدت غلاما نظيفًا فسماه ابو طالب عليا) ترجمہ: گفت بودم یک روزی در چند زنے از عرب ناگاہ پیش آمد ابوطالب غمگین پس گفتم اورا چیست حال تو گفت بدرستیکہ فاطمہؓ بنت اسد در شدت دردزہ است و او بچہ نمید ہد باز ابوطالب گرفت دست او و آورد اورا بسوئے کعبہ پس داخل کرد او را گفت بہ نشین بر نام خدا پس نشست و درد آورد و روے پس بزاد بچۂ پاکیزۂ پس نام کرد اور ابوطالب علیؓ بالجملہ اگر وضع و تولد در خانۂ کعبہ موجب تفضیل حضرت امیرؓ بر حضرت عیسیٰ باشد بر پیغمبر خود نیز خواہد بود و ہیچ کس از سنی و شیعہ بایں قائل نیست و ایضاً در تواریخ صحیحہ ثابت است کہ حکیم بن حزام بن خویلد ہم کہ برادر زادہ اُم المومنینؓ حضرت خدیجہ کبریٰ بود در کعبہ متولد شدہ پس باید کہ حکیم بن حزام نیز افضل باشد از حضرت عیسیٰ بلکہ از جمیع پیغمبران و شناعت این لازم پوشیدہ نیست۔

اولاً اس عبارت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ پہلا واقعہ شیعہ کی طرف سے ہے جس میں آتا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا وقت قریب آیا تو آپ کی والدہ کو حکم ملا۔ اے مریم! میرے گھر (بیت المقدس) سے نکل جا۔ لیکن جب مولیٰ علی کی ولادت کا وقت آیا تو آپ کی والدہ کو حکم ہوا اے فاطمہ اندر آجا۔ پھر یک لخت دیوارِ کعبہ شق ہوئی اور جناب فاطمہ اندر چلی گئیں۔"

اسی کے بارے شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے "واہی محض و مخالف تواریخ ست" فرمایا۔ اور اس سے آگے آنے والے دوسرے واقعہ کے ساتھ 'روایت مشہور چنیں ست' کے الفاظ ہیں جس میں صراحۃً روایت مشہور کا بیان ہے اور یہ چونکہ پہلے واقعہ کے مقابلہ میں ہے اس واسطے واہی اور مخالف تواریخ کا حکم اس پر عائد نہیں ہوگا، اور پھر اس مشہور روایت میں شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا زینہ سیڑھیاں کا تبصرہ فرمانا بھی اس واقعہ کو تسلیم کرنے پر دلالت ہے۔ اختصاراً یہ کہ اس واقعہ میں اور ماقبل واقعہ میں فرق

ہے۔ پہلے واقعہ کے ساتھ واہی اور مخالف تواریخ کہا گیا اور اس مشہور دوسری روایت والے واقعہ کو روایتِ مشہور چنیں است کہہ کر بیان کیا گیا۔ اس وضاحت سے اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مندرجہ ذیل عبارت کی وضاحت بھی آگئی۔ عبارت ملاحظہ ہو:

آنچہ گفتہ است کہ فاطمہؓ بنت اسدؓ را وحی آمد کہ در خانۂ کعبہ برو دو وضع حمل نماید دروغی است پر بے مزہ زیرا کہ کسے از فرق اسلامیہ وغیر اسلامیہ قائل بہ نبوت فاطمہؓ بنت اسد نشدہ حجاج چہ قسم این را مسلم مے داشت۔

ترجمہ: ''جو کہا جاتا ہے کہ فاطمہ بنت اسد کو وحی آئی کہ تُو خانہ کعبہ میں جا اور وہاں بچے کی پیدائش کر، یہ سب جھوٹ اور بے پر بات ہے کیونکہ کوئی بھی اسلامی اور غیر اسلامی فرقہ فاطمہ بنت اسد کی نبوت کا قائل نہیں ہے، حجاج اس کو کس طرح تسلیم کرسکتا ہے۔ (ت)''

(فتاویٰ رضویہ، جلد: ۱۵، صفحہ: ۱۹۳، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور)

اس عبارت میں بھی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح پہلی روایت کو رد فرمایا جس کو مخالف تواریخ اور واہی محض بولا گیا۔ لیکن اس روایت کو رد کرنے سے دوسری ''روایت مشہور'' کا رد کس طرح ہوگیا؟

دوسرا اس مشہور روایت کے بیان میں شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی طرف سے یہ وضاحت بھی آگئی کہ ''آپ کی والدہ ماجدہ خانہ کعبہ کیا لینے گئی تھیں؟ اگرچہ با اخلاق عورتیں ان دنوں میں نہیں نکلا کرتیں؟ لیکن وہ دن ایسے تھے کہ ان دنوں کو وہ باحیاء عورتیں اور دینِ ابراہیم پر رہنے والی خواتین حصولِ برکت کی خاطر ان خواص مقامات میں آیا کرتی تھیں۔

ثالثاً یہ جو کہا جاتا ہے کہ بوقتِ ولادت آپ کے والد جناب ابوطالب نہ تھے اس کی وضاحت بھی روایتِ مشہورہ میں آگئی کہ ''وزنانِ را مردان آنہا بحرکت عنیف برمی آوردند'' (اور عورتوں کو ان کے خاوند حرکتِ عنیف کے ساتھ چڑھاتے

تھے) اور ظاہر ہے کہ حضرت فاطمہ بنت اسد کے خاوند جناب ابوطالب تھے اور جو سیرت نگار حضرات نے لکھا کہ ''جب آپ کی والدہ نے آپ کا نام حیدر رکھا اس وقت جناب ابوطالب موجود نہ تھے۔''

اس کو سمجھنے سے پہلے یہ ذہن نشین فرمالیجیے کہ یہ بات ہم کسی جگہ لکھی ہوئی نہیں پاتے کہ جب بھی زمانۂ جاہلیت میں بچہ پیدا ہوتا اسی وقت ان کے والدین نام رکھتے بلکہ یہ امر ممکن ہے۔ جس کا مفاد یہ ہے کہ نام رکھنا ضروری نہیں سمجھتے تھے رکھ لیں تب بھی ٹھیک ہے نہ رکھیں تب بھی ٹھیک ہے۔ اب اس وضاحت کے لیے چند امور پیشِ نظر کیے جاتے ہیں۔

۱- شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی روایت مشہور میں وضاحت کے مطابق کہ وہ دن خصوصی تھا، سال کے بعد آتا تھا۔

۲- اور اس کے علاوہ جناب ابوطالب کا خاندان انتظام وانصرام کرنے والا تھا۔

۳- اور حضرت فاطمہ بنت اسد نے بیٹا جنا ہوا تھا۔ آپ کو گھر لے جانے کا بندوبست کیا جارہا تھا، اور آپ کی دیکھ بھال کے لیے کوئی ساز وسامان بھی درکار تھا۔

۴- اس دن کے دو دن بعد ۱۵ رجب المرجب کو مردوں کے اکٹھا ہونے کا پروگرام تھا جس کے لیے عموماً تیاری کرنا درکار ہوتی ہے۔

ان امور کو اگر پیشِ نظر رکھا جائے تو یہ بات سمجھ آتی ہے کہ ایسے ماحول میں نام رکھنے کو ضروری سمجھ لینا درست نہیں بلکہ ایسی صورت حال کے مطابق نام رکھنے کو مؤخر کر دیا جاتا ہے۔ دوسرا ایسے مواقع سے جناب ابوطالب مکہ سے باہر گئے ہی کیوں؟ جبکہ آپ کے گھر بچے کی پیدائش کا وقت قریب ہے۔ اور عورتوں کے لیے زیارتِ کعبہ کا وقت بھی آپہنچا تھا۔ جس میں مرد اپنی بیویوں کو کعبہ کے اندر چڑھاتے تھے۔ اور اس کے دو دن بعد ہی مردوں کے سالانہ اکٹھا ہونے کا دن ہے اور آپ کا خاندان بھی انتظام وانصرام سے متعلق ہے جس میں آپ حضرت عبدالمطلب کے قائم

مقام ہونے کی حیثیت سے زیادہ ذمہ داری کے حامل تھے۔"

لہٰذا سیرت نگار حضرات اور دیگر محدثین کرام نے جو یہ جملہ ارشاد فرمایا تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کی والدہ نے گھر پہنچکر انہی دنوں میں یا ان دنوں کے بعد آپ کا نام حیدر رکھا جبکہ جناب ابو طالب گھر سے باہر کچھ گھر والوں کے لیے ضرورت کے پیشِ نظر کام کو گئے ہوئے تھے۔ جب واپس آئے تو والدہ نے بتایا کہ میں نے ان کا نام حیدر رکھا ہے۔ تو آپ نے ان کا نام "علی" رکھ دیا۔

یہ امر تو معقولی ہے کہ بوقت ولادت آپ موجود ہوں اور پیدائش در کعبہ کے بعد آپ کو گھر لے گئے ہوں اور پھر آپ کا نام رکھا گیا ہو، لیکن یہ معاملہ عقل میں نہیں آتا کہ بوقتِ ولادت فوراً آپ کا نام رکھنا شروع کر دیا ہو حالانکہ اس وقت کے معاملات گذشتہ وضاحت کے مطابق بہت زیادہ تھے۔ جن میں جناب ابو طالب کا موجود ہونا ضروری تھا۔ لہٰذا نام رکھنے سے جناب ابو طالب کا بوقت ولادت نہ پایا جانا ثابت نہیں ہوتا۔"

اور اگر خواہ مخواہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ولادت کے وقت جناب ابو طالب کو غائب کرنا مقصد ہے تو اس ضد پر کیا دلیل ہے؟ اور اس کا فائدہ ہی کیا ہے؟ جبکہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ کی صراحت اس کے برعکس ہے۔ اور اس وقت وجودِ ابو طالب کو ثابت کر رہی ہے۔

خیال رہے کہ روایات میں رجوع و نسخ ممکن ہے البتہ واقعات میں نسخ و رجوع نہیں پایا جاتا کما مصرح فی الاصول۔

خلاصۂ کلام

گزشتہ گفتگو کا ہمارے سامنے خلاصۂ کلام یہ سامنے آیا کہ ہم اہلسنّت و جماعت کے نزدیک صحابہ کرام میں سے ہر ایک عزت و شان کے لائق ہے۔ البتہ ہم خلفاءِ راشدین کو بہ ترتیبِ خلافت افضل مانتے ہیں۔ (۱)

(۱) شرح فقہ الاکبر، صفحہ: ۶۳، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا مولودِ کعبہ ہونا ایک تاریخی واقعہ ہے جس کا نہ تو عقائد سے تعلق ہے اور نہ ہی احکام سے کوئی واسطہ، زیادہ سے زیادہ عقیدت و محبت کا کوئی نکتہ بن سکتا ہے۔ سو جس طرح حضرت حکیم ابن حزام کی کعبہ میں ولادت ہوئی۔ اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی کعبہ میں ولادت ہوئی۔ ایک ممکن امر ہے جس کی نظیر کا پایا جانا بھی ممکن ہے۔ اور ایسے تاریخی واقعات کا ثبوت، حدیثِ ضعیف سے تو درکنار بزرگوں کے اقوال سے بھی ہو جاتا ہے کیونکہ وہ ہمارے لیے سند کثیر کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس کو ماننے کے لیے اس قدر شہرت کافی ہوتی ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بڑے فضائل ہیں لیکن کسی بھی ایک فضیلت سے آپ کا شیخین کریمین رضی اللہ عنہما پر افضل ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ اہل سنت و جماعت کا اجماعی عقیدہ ہے۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد: ۵، صفحہ: ۵۸۱ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اور نہ ہی جناب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو کسی اور صحابی کی فضیلت و افضلیت کے پیشِ نظر برا بھلا کہنا جائز ہے۔ اور ایسی فضیلت بیان کرنا کہ جس سے کسی دوسرے صحابی کی تنقیص مقصود ہو تو ایسی فضیلت بیان کرنا جائز نہیں کیونکہ ایسی فضیلت جس میں تنقیص کا شائبہ ہو وہ تو انبیاء کرام کے بارے بھی ناجائز ہے۔ (شرح الفقہ الاکبر للملا علی قاری صفحہ: ۱۹۵، مطبوعہ مکتبہ محمودیہ سرکی روڈ کوئٹہ، صفحہ: ۱۱۴، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی)

جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مولودِ کعبہ ہونے کا مسئلہ اگر ضعیف روایت سے ہے تو یہاں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ لم یثبت اور لا یصح کے الفاظ اصلاً سند کے عدم پر دلیل نہیں ہوتے محض سند پر جہالت یا انقطاع سے طعن کرنے کے باعث ضعیف کہا جا سکتا ہے۔ (۱) تاہم اگر روایت ضعیف ہو۔ تو پھر بھی ایسے تاریخی واقعات میں حدیث ضعیف معتبر ہوتی ہے اور حدیث ضعیف منکر ہو یا بلا سند ہو فضائل و مناقب میں معتبر ہے۔ (۲) خیال رہے کہ کسی ایک صحابی کی فضیلت کسی دوسرے صحابی کی فضیلت کو مانع

(۱) فتاویٰ رضویہ جلد: ۵، صفحہ: ۴۴۲، ۵۴۹، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاہور، تحفۃ الطلبۃ للعلامۃ عبدالحی اللکھنوی، صفحہ: ۷، مطبوعہ ایچ ایم، سعید کمپنی

(۲) قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب، فصل الحادی والعشرون، جلد: ۱، صفحہ: ۱۷۸، مطبوعہ دار صادر مصر

نہیں اسی طرح جناب حکیم ابن حزام کی پیدائش درکعبہ حضرت علی المرتضٰی کے مولودِ کعبہ ہونے کے منافی نہیں کیونکہ منافات کہتے ہیں دو مخالف چیزوں کا ایک نقطہ پر ٹکرانا اور وہ یہاں نہیں ہے۔ پھر یہ ہے کہ حدیث ضعیف تلقی بالقبول سے درجۂ حسن تک ترقی کرتی ہے اور آپ کے مولودِ کعبہ ہونے کی روایت کو تلقی بالقبول حاصل ہے۔ پھر یہ کہ جناب علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت کا ثبوت مستدرک سے تلخیص ذہبی کی تائید کے ساتھ ہے اور تلخیص ذہبی میں بغیر جرح ونقد کے روایت آجائے تو وہ روایت مانی جائے گی۔ کما فی بستان المحدثین و فتاویٰ رضویه، و تدریب الراوی۔

سو نگاہِ محبت وعقیدت سے دیکھا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ منبع ولایت کی ولادت درکعبہ کا ثبوت، اقوالِ بزرگانِ دین سے بھی ہے۔ احادیث ضعیفہ سے بھی ہے اور تلقی بالقبول کے باعث حدیث حسن سے بھی ہے۔ اور بہ قول ذہبی تواتر اخبار سے بھی ہے۔ اس میں تو آپ کی اور عظمت ظاہر ہوئی۔ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کا مولودِ کعبہ ہونا باعثِ عظمت ہو سکتا ہے لیکن اس سے بڑھ کر باعثِ عظمت وہ بات ہے جو حضور قیومِ زمان مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی علیہ الرحمہ جناب علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی شان میں بیان فرماتے ہیں:

> وراہیست کہ بقربِ ولایت تعلق دارد اقطاب و اوتاد و بدلا و نجبا و عامۂ اولیاء اللہ بہمین راہ واصل اند و راہِ سلوک عبارت ازین راہ ست بلکہ جذبۂ متعارفہ نیز داخل ہمین ست و توسط و حیلولت درین راہ کائن ست و پیشوائے واصلانِ این راہ و سرگروہ اینہا و منبع فیض این بزرگواران حضرت علی المرتضٰی ست کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم و این منصب عظیم الشان بایشان تعلق دارد، درین مقام گویا ہر دو قدم مبارک آن سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام بر فرقِ مبارک اوست کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم و حضرت فاطمہ و حضرات حسنین رضی اللہ عنہم درین مقام با ایشان شریک اند

> انگارم کہ حضرت امیر قبل از نشاۂ عنصری نیز ملاذ و ملجاء این مقام بودہ اند چنانچہ بعد از نشاۂ عنصری و ہر کرا فیض و ہدایت ازین راہ میرسید بتوسط ایشان میرسید چہ ایشان نزد نقطۂ انتہائے این راہ اند و مرکزِ این مقام بایشان تعلق دارد۔

ترجمہ: ''دوسرا وہ راستہ ہے جو قربِ ولایت سے تعلق رکھتا ہے تمام قطب، اوتاد، ابدال اور نجباء، عام اولیاء اللہ سب اسی راستہ سے واصل ہوئے ہیں۔ راہِ سلوک اسی راہ سے مراد ہے بلکہ جذبہ متعارفہ بھی اسی میں داخل ہے اس راستہ میں واسطہ اور حیلولہ ثابت ہے اس راہ کے واصلوں کے پیشوا اور ان کے سرگروہ اور ان بزرگواروں کے فیض کا سرچشمہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ہیں اور یہ عظیم الشان مرتبہ انہی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اس مقام میں گویا آنحضرت ﷺ کے دونوں مبارک قدم حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے سر مبارک پر ہیں اور حضرت فاطمہ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما بھی اس مقام میں ان کے ساتھ شریک ہیں۔ میرے خیال میں حضرت امیر رضی اللہ عنہ (جنابِ علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ) وجودِ عنصری یعنی پیدائش سے پہلے بھی اسی مقام کی پناہ میں رہے ہیں جیسے کہ وجودِ عنصری کے بعد ہیں اور اس راہ سے جس کسی کو فیض و ہدایت پہنچتا ہے انہی کے وسیلہ سے پہنچتا ہے کیونکہ اس راہ کا آخری نقطہ بھی ہیں اور اس مقام کا مرکز انہیں سے تعلق رکھتا ہے۔''

(مکتوبات امام ربانی، فارسی دفتر سوم، مکتوب نمبر ۱۲۳، جلد: ۲، صفحہ: ۱۴۴، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ کانسی روڈ کوئٹہ)

جب امام المومنین سیدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ پیدائش سے قبل بھی اسی مرتبۂ ولایت پر جلوہ افروز تھے تو مولودِ کعبہ ہونے سے آپ کی شانِ رفعت میں اضافہ ہی ہوا۔ آخر جگہ کی خصوصیت سے مستفیض ہونے کے لیے جوہر بھی عمدگی اور ولایت سے

روشنا ہونا چاہیے۔ سو ولی کی آمد سے کعبہ آلودہ نہیں ہوتا اور یہ خصوصیت حضرت حکیم ابن حزام کو حاصل نہیں لیکن اس سے ان کی شانِ رفعت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اب محدثین کی گذشتہ گفتگو کو اگر اس پیرائے میں رکھا جائے تو یوں بھی تطبیق دی جاسکتی ہے کہ جن اعتبارات سے حضرت حکیم ابن حزام کا مولودِ کعبہ ہونا ثابت ہے۔ ویسا کسی اور کے لیے نہیں اور جو خصوصیات و اعتبارات جناب مولیٰ علی المرتضیٰ ؓ کی مولودِ کعبہ ہونے میں ثابت ہیں وہ کسی اور کے لیے نہیں ہیں۔ اگر شیعہ لوگ جناب علی المرتضیٰ ؓ کے مولودِ کعبہ ہونے کی وجہ سے آپ کو شیخین پر فضیلت دیتے ہیں تو یہ ان کی جہالت ہے۔ جس طرح شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ؒ نے شیعہ کے اس بارے من گھڑت واقعہ کا رد کیا اور صحیح واقعہ کو بیان کیا ہمیں بھی اسی طرح صحیح واقعہ کو ماننے کے اندر دریغ نہ کرنی چاہیے اور صحیح واقعہ کو یہ کہتے ہوئے رد نہیں کر دینا چاہیے کہ ''شیعہ اس سے شیخین پر افضلیت کی دلیل پکڑتے ہیں'' تو کیا ہم جناب علی المرتضیٰ ؓ کی باقی فضیلتیں بھی اسی طرح ماننے سے انکار کر دیں گے آپ کے فاتحِ خیبر ہونے سے جب شیخین کریمین پر فضیلت ظاہر نہیں ہوتی تو مولودِ کعبہ کے ہونے سے کیوں ظاہر ہوگی؟ اور ہم ان روافض سے متاثر ہو کر کیوں متعصب ہوں؟ ہر ایک صحابی کی فضیلت سے دوسرے صحابی کی فضیلت کی نفی نہیں ہوتی، اور افضلیت کا معیار اہلِ سنت و جماعت کے نزدیک ترتیبِ خلافت پر ہے۔ کما مرّ

بندہ ناچیز نے حتی الوسع دامنِ حق کو تھامتے ہوئے اور افراط وتفریط سے بالاتر ہو کر یہ چند سطور قارئین کی نظر کی ہیں تا کہ اتحاد بین المسلمین کی فکر کو پروان چڑھایا جاسکے اور ہمیں اب ایسے مسائل میں بحث و تمحیص کی بجائے جدید مسائل فقہیہ کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ جو روپیہ ایسے امور پر خرچ کر رہے ہیں اس سے قابل مدرسین کی معقولی خدمت کی جائے اور ان سے کتب درسیات پر حواشی اور ان کی شروح لکھوانی چاہئیں۔ لیکن سنیوں کا پیسہ، معیارِ استعمال میں وہ قوت نہیں رکھتا جو اس فرقۂ ناجیہ کی ہونی چاہیے۔

اہلِ سنت بہر قوالی و عرس — دیوبندی بہر تصنیفات و درس
خرچ سنی بر قبور و خانقاہ — خرچ نجدی بر علوم و درسگاہ

بڑی نشستوں پر بے نشستہ بیٹھے ہوئے ہیں اور ہم اپنے مسائل کو بنیاد بنا کر ایک دوسرے پر کفر کا فتویٰ لگانے کے حرب سوچ رہے ہیں۔ یہ معاملہ جانبین سے خیال کرنے والا ہے اور دونوں فریقوں کو ایسے مسائل سے قلم تھامنے کی ضرورت ہے۔ دل شکنی سے معذرت کرتے ہوئے عرض گزار ہوں کہ جو اس میں درست بات پائیں تو وہ خدائے ذوالجلال کی توفیق اور رحمۃ للعالمین ﷺ کی نظرِ رحمت سے میرے والدین و مشائخ اور اساتذۂ کرام کی تربیت و دعا ہوگی اور جو غلطی ہو تو اس کا سزاوار مجھ کو ہی ٹھہرائیں بیشک شرِ نفس سے بچنا اسی کی توفیق سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا خاتمہ بالایمان فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

یا رب بالمصطفٰی بلّغ مقاصدنا
واغفرلنا ما مضٰی یا واسع الکرم

طالب دعا
ضمیر احمد مرتضائی غفرلہ الباری
۲۳-۵-۲۰۱۲ بروز بدھ
(شعبہ دارالافتاء)
دارالعلوم جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو، لاہور

دار الافتاء جامعہ نعیمیہ

علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو، لاہور، پاکستان۔

کمپیوٹر نمبر: 5906/12 daruliftajamianaeemia@gmail.com تاریخ: 04/07/12

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا حضرت حکیم ابن حزام کی طرح حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی "مولود کعبہ" ہیں یا نہیں؟ نیز اس کو نزاعی مسئلہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ اس حوالے سے شرعی رہنمائی فرمائیں۔

سائل: محمد اکمل قادری، متعلم جامعہ نعیمیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوہاب اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

حضرت علی المرتضی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے علاوہ بیت اللہ شریف میں پیدا ہونے والے حضرت حکیم بن حزام ہیں۔ ان کی پیدائش کا تذکرہ صحاح میں موجود ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا تذکرہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفاء میں کیا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے بھی مدارج میں تذکرہ فرمایا۔ اس لئے اس مسئلہ کو نزاعی بنانا دونوں کے لئے اچھا نہیں ہے۔ ہم اہل سنت و جماعت تو سبھی کا احترام کرنے والے ہیں--------------------------------------والله تعالى اعلم بالصواب

کتبہ: (مفتی) محمد عبدالعلیم سیالوی غفرلہ

۱۳ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ/۴ جولائی ۲۰۱۲ء

خادم العلماء محمد عبدالعلیم سیالوی

الجواب صحیح

دار الافتاء جامعہ نعیمیہ

۲۰۱۲

قابلِ مطالعہ کتابیں

Email:muslimkitabevi@gmail.com
raza_muneer@yahoo.com